خاص نمبر

ماڈل سٹی

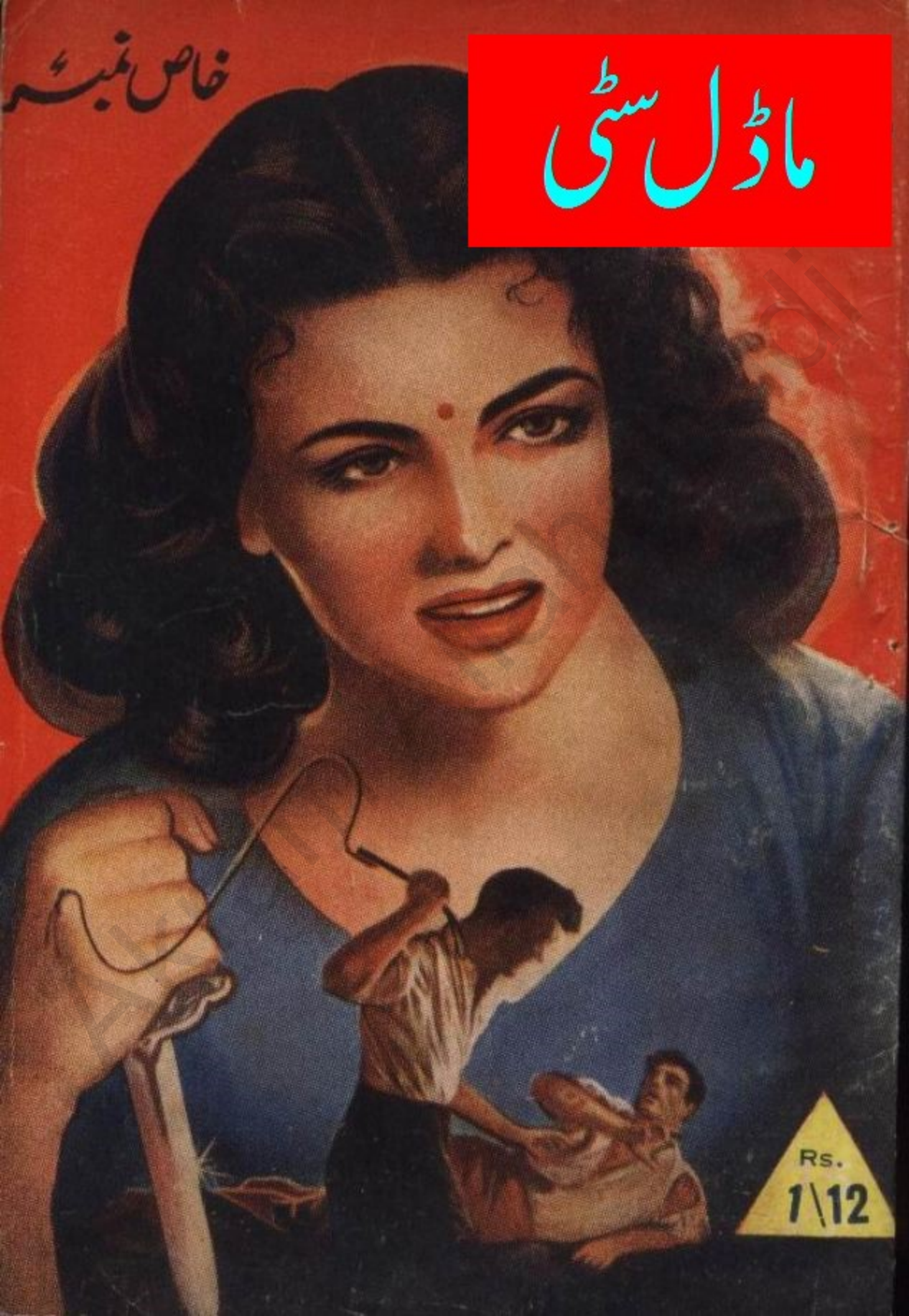

Rs.
1\12

جاسوسی دائرہ سیریز

ماڈل سٹی

اکرم الہ آبادی

Akram Allahabadi

فرحت پبلیکیشنز۔ممبئی۔انڈیا

جملہ حقوق بحق پبلشر محفوظ ہیں

اس ناول میں شائع ہونے والے تمام واقعات،
مقامات و کردار فرضی ہیں۔اس سے کسی طرح
کی مطابقت محض اتفاقیہ ہے۔جس کی مصنف،
پبلشر و پرنٹر پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔

اس ناول کی دوبارہ اشاعت، ترجمے یا کسی اور مقصد سے استعمال کے
لئے پبلشر کی تحریری اجازت ضروری ہے ورنہ قانونی چارہ جوئی کی جائے گی۔

پرنٹر:۔۔۔۔۔ممبئی۔انڈیا

Akram Allahabadi

آج کی ڈائٹ

''سب سے زیادہ وٹامن کس چیز میں ہوتا ہے؟''

''گھاس میں۔''

''وجہ؟''

''دنیا میں حضرت آدم سے پہلے گھاس پیدا ہوئی تھی۔''

''افادیت؟''

''نمبر ۱: گھوڑا گھاس کھاتا ہے اور دس دس آدمیوں کا وزن گھسیٹتا ہے۔

نمبر ۲: گینڈا گھاس کھاتا ہے اور ناک کی سینگ پر ہاتھی کو اٹھا لیتا ہے۔

نمبر ۳: خرگوش گھاس کھاتا ہے اور آرام کی نیند سوتا ہے۔

نمبر ۴: آدمی گھاس کھاتا ہے تو سیاسی لیڈر بن جاتا ہے۔''

ہمارا نیک مشورہ: گھاس کھایئے

گھاس کھایئے اور تندرستی بہتر بنایئے۔

گھاس کھایئے اور گینڈے بن جایئے۔

نتیجہ (۱): خدا آپ کی عمر دراز کرے گا، جس طرح کوے اور گینڈے کی ہوتی ہے۔

(۲) آپ کبھی بیمار نہیں پڑیں گے، جس طرح کہ گدھے اور گھوڑے کبھی بیمار نہیں پڑتے۔

(۳) اگر آپ نارزن نہیں بن سکتے تو کنگ کانگ ضرور بن جائینگے۔

چنانچہ گھاس کھایئے اور ہمارے حق میں دعائے خیر فرمایئے۔

فقط آپ کے مخلص

Akram Allahabadi

ڈاکٹر وان زیئل ۔ڈاکٹر گلبرٹ طاملوٹ

اجنبی مہمان حیرت سے اس پمفلٹ کو دیکھتا رہا اور اس کا پورا مضمون پڑھنے کے بعد اسے بیرے کی طرف بڑھا دیا۔

''یہ مینو ہے کیا اس ہوٹل کا؟'' اس نے بگڑے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''یس سر، آج کیلئے۔'' بیرے نے بڑے ادب سے جواب دیا۔

اجنبی مہمان اس جواب پر سٹپٹا گیا۔اس کا ہاتھ فوراً اس قاب پر جا پڑا جو بیرے نے ابھی ابھی اس کے سامنے میز پر لا کر رکھی تھی۔اس نے اس کا ڈھکن جیسے ہی اٹھایا، اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔اس میں ہری ہری گھاس بڑے اہتمام سے تراشی ہوئی رکھی تھی۔

''یہ کیا مذاق ہے آخر؟'' اس نے غصے میں مینو ہاتھ سے پھینک دیا۔

یہ جھگڑا دیکھ کر ہوٹل کا منیجر خود ہی تشویش زدہ سا میز کے قریب آ پہنچا۔

''معاف کیجیے گا، جناب۔ملازم سے کوئی قصور ہوا کیا؟''

''کمال ہے، آپ کو بھی یہ غلط فہمی ہے، یعنی مجھے گھاس کھلائی جا رہی اور آپ فرماتے ہیں قصور ہوا کوئی؟''

''آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے، جناب۔آپ نے اسپیشل ڈائٹ کا آرڈر دیا تھا، اور نہ صرف یہاں، بلکہ شہر کے تمام ہوٹلوں میں آپ کو اسپیشل ڈائٹ آج یہی ملے گی۔'' منیجر نے بڑی سنجیدگی سے جواب دیا۔اور اجنبی مہمان اس جواب کو سن کر سناٹے میں آ گیا۔

''آپ کو یقین نہ ہو تو آپ دوسری میزوں کی طرف غور سے دیکھ لیں۔'' منیجر نے گھوم کر اشارہ کیا اور اجنبی پلٹ کر دیکھنے لگا۔واقعی اس کیلیے یہ منظر عجیب و غریب تھا۔

دوسری میزوں پر بھی لوگ کانٹے سے ہری ہری گھاس کھا رہے تھے۔

''یا خدا، یہ پاگلوں کا شہر ہے؟'' وہ اپنی جانگ پر ہاتھ مار کر بولا۔

''آپ شاید اس شہر میں نووارد ہیں؟'' منیجر نے ادب سے کہا۔''ورنہ یہاں کے

لوگ تو ڈاکٹر گلبرٹ کے مشوروں کو آنکھیں بند کر کے قبول کرتے ہیں۔'' وہ بولا۔

''یعنی آپ کی مراد اس پمفلٹ سے ہے؟'' اجنبی نے اس چھپے ہوئے پمفلٹ کی طرف اشارہ کیا جو اس نے ابھی جھنجلاہٹ میں پھینک دیا تھا۔

''جی ہاں۔ یہ شہر کی صحت کا بلیٹن ہے جو روز صبح ڈاکٹر گلبرٹ کی طرف سے جاری ہوتا ہے۔'' منیجر بتانے لگا۔ ''وہ موسم اور حالات کے تناسب سے بہترین قسم کی غذائیں ہمارے لیے تجویز کرتے ہیں اور آپ نے دیکھا ہوگا کہ اسی لیے شہر کی تندرستی اتنی بنی ہوئی ہے۔'' منیجر بتاتا گیا اور نووارد حیرت سے سنتا گیا۔

''آپ کے شہر میں اجنبیوں کا کیا حشر ہوتا ہوگا؟''

''اول تو وہ یہاں بہت کم آتے ہیں اور آتے ہیں تو کچھ دنوں میں وہ بھی ان خصوصیات کے قائل ہو جاتے ہیں۔'' منیجر نے بڑے فخر سے بتایا۔

''آپ کے خیال میں گھاس کی اس پلیٹ کی قیمت کیا ہوگی؟''

''کل تک تو شہر میں ایک آنے میں آپ سیر بھر گھاس با آسانی خرید سکتے تھے، لیکن آج اس کی قیمت پانچ روپے فی سیر سے کم نہیں۔ اب یونہی دیکھیے کہ آپ کا بل صرف ڈھائی روپے کا ہے یہ آدھا سیر گھاس۔'' منیجر بولا۔

''اور اگر میری طرف سے یہ آپ کھا لیں تو آپ کو کوئی اعتراض ہو سکتا ہے۔'' اجنبی نووارد نے الفاظ کو چباتے ہوئے پوچھا۔

''ہرگز نہیں۔ میں اس عنایت کیلیے آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں، لیکن میں ناشتہ کر چکا ہوں۔''

''یا آپ کھانا نہیں چاہتے؟''

''اوہ، آپ نہ جانے کس شبے میں مبتلا ہیں، اچھا لایئے۔'' یہ کہہ کر منیجر نے کانٹے سے قاب میں سے کافی گھاس نکالی اور منہ میں رکھ کر اس کو چبانے لگا، جیسے کوئی بہت لذیذ شے

Akram Allahabadi

ہو۔نو وارد حیرت سے اسے دیکھتا رہا۔

''یہ تو صرف بڑے ہوٹلوں میں ہی آپ کو سبز گھاس مل رہی ہے، ورنہ چھوٹے ہوٹلوں یا گھروں میں تو عام لوگ بے چارے خشک گھاس ہی کھا رہے ہیں۔''منیجر نے بتایا۔

''اندازاً کتنے دن آپ گھاس کھائیں گے؟''اجنبی نے سوال کیا۔

''یہ تو ڈاکٹر گلبرٹ کے بلیٹن پر منحصر ہے۔وہ کل خوراک بدل دیں،تو کل یہ گھاس صرف گھاس رہ جائے گی،لیکن بطور رونامن اسے ہر کھانے کے ساتھ استعمال ضرور کیا جائے گا۔''

''آپ کے شہر کے لوگ ضرورت سے زیادہ عقلمند واقع ہوئے ہیں۔''

''اس میں کیا شک ہے،عقل اور اخلاق تو یہاں کے لوگوں کو ورثے میں ملی ہوئی دولت ہے۔''منیجر نے اس کے طنز کا اثر لیے بغیر کہا۔

''اب آپ براہِ کرم میرا بل بھیج دیجیے۔''نو وارد برا سا منہ بنا کر بولا۔

''لیکن آپ نے کھایا بھی نہیں اور...''

''شکریہ،بغیر کھائے ہی میرا پیٹ بھر چکا ہے۔''

''نہیں جناب،ہم اتنے بد اخلاق نہیں،آپ سے بل نہیں لیا جائے گا۔ویسے یہ ہوٹل ہمیشہ آپ کی خدمت کیلیے حاضر ہے۔''منیجر نے مجسم اخلاق بن کر کہا۔

''مزید شکریہ۔''نو وارد یہ کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا اور عجیب سی نظروں سے ہال میں بیٹھے ہوئے لوگوں کو دیکھتا ہوا باہر نکل گیا۔ان میں سے کسی نے اس کی طرف توجہ نہ کی۔وہ مزے سے گھاس کھا رہے تھے۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

ہوٹل ۱۹۸۰ء

نو وارد اجنبی سنٹرل پوسٹ آفس سے کسی کو ڈرنک کال کر رہا تھا۔

''میں اگر دو گھنٹے اور اس شہر میں رہا تو پاگل ہو جاؤں گا۔''

''لیکن تمہیں رہنا پڑے۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

''کچھ لوگ آ رہے ہیں، جنکے بارے میں تمہیں بعد میں اطلاع مل جائے گی۔''

''کیا آپ چاہتے ہیں کہ میں کپڑے پھاڑ کر سڑک پر نکل جاؤں؟''

''جس طرح رہنا چاہو رہو، لیکن ابھی تمہیں وہیں رہنا ہے۔''

''بہتر ہے، میں بھی پاگل ہوا جاتا ہوں۔''

''یہ تمہارا اپنا طریق کار ہوگا، جس کے ذمے دار بھی تم ہو گے۔''

''لیکن آخر یہاں میری ضرورت بھی کیا ہے، مجھے یہ تو معلوم ہونا چاہیے کہ یہاں کیوں بھیجا گیا ہوں؟''

''کیا تم ابھی تک نہیں سمجھ سکے؟ مگر ٹھہرو، تمہیں اس ٹیم کے ساتھ مل کر کام کرنا ہوگا۔'' دوسری طرف سے کہا گیا۔

''کس ٹیم کی طرف سے؟''

''جس کے پیش رو کی حیثیت سے تم گئے ہو۔''

''کمال ہے، حالانکہ مجھے اسکے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں۔

''ضروری نہیں، وقت آنے پر خود جان جاؤ گے۔ اپنا فون نمبر اور پتا بتاؤ۔''

''کیا خاک بتاؤں، پھر اسی ہوٹل میں جا کر جھک مارتا ہوں، اس کا نام ہے، ہوٹل ۱۹۸۰ء۔''

Akram Allahabadi

''جواب نہیں، اور تم اتنے ایڈوانس قسم کے ہوٹل سے بیزار ہو رہے ہو۔'' ادھر سے کہا گیا۔

''میری جگہ آپ ہوتے تو شاید پہلے ہوائی جہاز سے بھاگتے۔'' نووارد نے کہا۔

''نہیں، میں اتنا احمق نہیں ہوں کہ اتنے دلچسپ ایڈونچر سے ہاتھ دھولوں۔'' ادھر سے کہا گیا۔

''اس کا فون نمبر کیا ہے؟''

''ڈائرکٹری میں دیکھ کر بتاتا ہوں۔'' یہ کہہ کر وہ رسیور تھام کر ڈائرکٹری دیکھنے لگا۔ اسے ڈائرکٹری میں ہوٹلوں کے عجیب عجیب نام نظر آئے۔ مثلاً 'آپ کا ہوٹل'، 'شریفوں کا ہوٹل'، 'ہوٹل آثارِ قدیمہ'، 'نیا زمانہ ہوٹل'، 'ہوٹل ۲۰۰۰ء'، 'ہوٹل ۱۱۱۹ء ق.م.'، 'ہوٹل درہوٹل'، 'یادگار زیٹل ہوٹل'، طالموٹ شاہی ہوٹل' وغیرہ۔

''کیا ہو گیا تمہیں؟'' دوسری طرف سے پوچھا گیا۔

''یہاں کے ہوٹلوں کے خوبصورت نام دیکھ رہا تھا۔ بہرحال اس ہوٹل کا ٹیلی فون نمبر ۲۳۵۱۔''

''بس کافی ہے۔'' یہ کہہ کر دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا اور نووارد 'سنیے تو' کہتا رہ گیا۔ وہ چند لمحوں تک کھڑا سوچتا رہا، پھر اس نے جھنجلا کر رسیور کریڈل پر ڈال دیا اور کیش بل ادا کر کے باہر نکل آیا۔

''خوش آمدید، خوش آمدید۔ میں نے پہلے ہی عرض کیا تھا کہ شہر میں اس سے بہتر ہوٹل آپ کو کہیں نہیں ملے گا۔''

ہوٹل ۱۹۸۰ء کے منیجر نے اپنے نووارد مہمان کا بڑے پرمسرت انداز میں خیر مقدم کرتے ہوئے کہا۔

''جی ہاں، اس میں کیا شک ہے۔ جب گھاس ہی کھانا مقصود ہو تو کہیں بھی کھائی

جا سکتی ہے۔" نو وارد نے ناخوشگوار سے موڈ میں کہا۔

"دیکھیے، آپ غلط سمجھے۔ محترم ڈاکٹر گلبرٹ کے مشوروں کو قبول کرنا نہ کرنا آپ کے اختیار میں ہے، ویسے وہ ہمیشہ مفید ہوا کرتے ہیں۔"

"اب آپ ان کی افادیت پر لیکچر دیں گے شاید؟"

"اوہ، نہیں، میرا مطلب تھا کہ شہر میں نئے وارد ہونے والے آدمیوں کیلیے ہم خاص طور پر ان کی مرضی کے کھانے بھی تیار کرا دیتے ہیں۔ آپ نوٹ کرا دیجیے، ویسا انتظام کر دیا جائے گا۔" منیجر نے بڑی خوش اخلاقی سے کہا۔

"خیر وہ تو میں بعد میں دیکھوں گا، پہلے آپ میرے قیام کا بندوبست کرایے۔" نو وارد نے ہدایت کی۔

اوپر روم نمبر ۲۱ میں آپ کا قیام زیادہ مناسب رہے گا۔" منیجر نے یہ کہتے ہوئے ایک بیرے کو قریب آنے کا اشارہ کیا۔

"صاحب کو روم نمبر ۲۱ میں پہنچا دو، مگر ٹھہریے، بیرا جب تک آپ کا سامان رکھتا ہے آپ ذرا رجسٹر کی خانہ پری کرا دیجیے۔"

نو وارد نے اپنا سوٹ کیس بیرے کے حوالے کر دیا اور بولا۔ "ہولڈال ادھر باہر رکھا ہے، اٹھا لو۔"

بیرا سوٹ کیس لے کر چلا گیا اور نو وارد کے پاس صرف اس کا ایک ہینڈ بیگ رہ گیا۔ وہ منیجر کے ساتھ کاؤنٹر پر آیا جہاں کاؤنٹر کلرک رجسٹر کھولے بیٹھا تھا۔ نو وارد کو یہ دیکھ کر ہنسی آ گئی کہ وہ کرسی پر اکڑوں بیٹھا ہے، دونوں پیر اوپر اٹھائے ہوئے ہے۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے؟" منیجر نے اسے ڈانٹ پلائی۔

"میرے پیٹ میں درد ہو رہا ہے۔" کلرک معصوم صورت بنا کر بولا۔

"تم نے شاید گھاس نہیں کھائی ہے آج۔" منیجر نے کہا۔

"کہاں، گاہکوں سے بچے گی تب ہی تو ملے گی مجھے۔" کلرک نے اپنی مظلومیت کا اظہار کیا۔

"جاؤ، تھوڑی سی کھالو، میں خانہ پری کیے دیتا ہوں۔" منیجر نے شفقت کا اظہار کیا اور کلرک شکریہ ادا کرتا ہوا کرسی سے اتر کر چل دیا۔

"جی ہاں تو آپ کا نام؟" منیجر نووارد سے مخاطب ہوا۔

"صفدر سنگھا می۔" نووارد نے بتایا۔

"یعنی واقعی؟" منیجر نے شبے کی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"آپ کو میرے نام پر شبہ کرنے کا کیا حق ہے؟" نووارد اسے گھورنے لگا۔

"اوہ، نہیں، یعنی، میرا مطلب ہے، بالکل عجیب نام..." وہ بوکھلا گیا

"ہمارے یہاں اسی قسم کے نام رکھے جاتے ہیں۔" نووارد نے اطمینان سے کہا۔

"تب تو آپ لوگ پیدائشی جمہوریت پسند ہوں گے۔" منیجر یہ کہہ کر اس کا نام لکھنے لگا۔

"ولدیت بھی فرما دیجیے؟"

"ولدیت کا خانہ کالی رہنے دیجیے۔"

"کیوں؟"

"میں نے آج تک اپنے باپ سے ان کا نام نہیں پوچھا۔"

"عجیب بات ہے یہ بھی۔" منیجر نے سر ہلایا۔

"جس طرح آپ کی باتیں ہمارے لیے عجیب ہیں، اسی طرح ممکن ہے ہماری باتیں آپ کو عجیب معلوم ہوتی ہوں۔" نووارد نے صاف گوئی کا لہجہ اختیار کیا۔

"لیکن باپ کا نام تو ہونا چاہیے؟"

"ہونا ہی چاہیے تو فرض کر لیجیے، بریگیڈیئر بلگرامی۔"

Akram Allahabadi

''میں یہی لکھے لیتا ہوں۔یقیناً یہ آپ کے قبلہ والد صاحب کا نام ہے، ورنہ ہم قافیہ نہ ہوتا۔''منیجر نے جلدی سے کہا۔

''آپ کہیں تو اسی ردیف قافیہ میں کچھ اور عرض کروں؟''نووارد نے پوچھا۔

''بوقت فرصت، لیکن سکونت لکھا دیجیے۔''

''خلد آباد۔''

''بس کافی ہے، اور ہاں اگر نوگوار نہ ہو تو پیشہ بھی۔''

''سمجھ گیا، سمجھ گیا۔لکھیے، حجامت۔''

''آپ مذاق فرما رہے ہیں۔''

''کمال ہے۔آپ کو میری ہر بات پر شک ہے، حالانکہ میں انگلینڈ ریٹرن حجام واقع ہوا ہوں۔بڑے بڑے راجوں مہاراجوں کی حجامت فرمائی ہے میں نے۔''

''یعنی واقعی لکھ دوں؟''منیجر نے ایک بار اور یقین نہ کرتے ہوئے پوچھا۔

''بہتر ہے، نہ لکھیے۔کل صبح میں آپ کی حجامت بنا کے ثابت کر دوں گا۔''اجنبی نے یہ کہا اور اپنا بیگ سنبھالے زینے کی طرف قدم بڑھایا۔

''قبلہ حجام صاحب، آپ کا روم نمبر ۲۱ ہے، فرسٹ فلور۔''

''شکریہ، لیکن آپ مجھے میرے پیشے سے مخاطب کر رہے ہیں۔آپ کو ناگوار تو نہ ہوگا اگر میں آپ کو بھیا رہ کہوں؟''وہ پلٹ پڑا۔

''اوہ نہیں، میرا مطلب یہ نہیں تھا۔آپ تو میرے گاہک ہیں۔میں نے آپ کو خوش خلق پا کر تھوڑا سا مذاق کیا تھا، کیونکہ حقیقت میں مجھے آپ کے حجام ہونے پر یقین نہیں۔''منیجر نے ہنس کر کہا۔

''دیکھیے جناب، میں حجام ہوں اور سوبار حجام ہوں۔حجامت ایک پیشہ ہے اور اتنا ہی معزز پیشہ ہے جتنے دوسرے پیشے ہیں۔''نووارد یہ کہتے ہوئے برہم سا ہو گیا۔

Akram Allahabadi

''مانتا ہوں، مانتا ہوں، آپ برا نہ مانیے ۔ میں تو مذاق کر رہا تھا۔''

''غالباً میرا اور آپ کا مذاق کا رشتہ نہیں ہے۔'' وہ برا سا منہ بنا کر بولا اور اس جواب پر منیجر لاجواب ہو کر جھینپ گیا۔ نووارد کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ ابھری اور پھر وہ اوپر چلا گیا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

زندگی ۸۱/۲ بجے کا نام ہے

رات کے وقت کھانے پر اسے حسبِ مرضی کھانے فراہم کر دیے گئے، لیکن ان کے ساتھ بھی ایک پلیٹ میں تھوڑی سی گھاس رکھی تھی۔ جس وقت وہ کھانا کھا رہا تھا، ہوٹل کا بیرا پاس ہی کھڑا تھا۔ اس سے یہ ضبط نہ ہو سکا تو بول ہی اٹھا۔

''صاحب، آپ اگر اجازت دیں تو میں بھی آپ کے ساتھ کھانے پر بیٹھ جاؤں؟''

''کیوں؟ تم ہوٹل کے بیرے ہو یا مہمان؟''

''میں بڑا معزز آدمی ہوں، صاحب۔ میری چار بیویاں اور چھ بچے ہیں اور ہر بچہ میرا باپ ہے۔''

''تمہارا دماغ تو ٹھکانے ہے؟'' نووارد سے گھورنے لگا۔

''ہائے، آپ کسی کے دل کا درد کیا جانیں۔ دیکھیے نا، گھڑی میں اس وقت ساڑھے ۸ بج رہے ہیں۔''

''تو کیا کروں؟'' نووارد نے جھنجلا کر پوچھا۔

''صاحب زندگی ساڑھے ۸ بجے کا ہی تو نام ہے۔ کاش میں چھچھوندر پیدا ہوتا تو ہر گھر میں گھستا پھرتا۔'' بیرا بڑی سنجیدگی اور معصومیت سے کہتا رہا۔

''اب اگر تم یہاں سے دور نہیں ہو گئے تو میں یہ پلیٹیں تمہارے سر پر پھوڑ دوں گا۔'' نووارد کو غصہ آ گیا۔

''پھوڑ دیجیے، صاحب، پھوڑ دیجیے۔ اپنی تو تقدیر ہی ٹوٹی پھوٹی ہے، ورنہ سکندر خاں اس ہوٹل میں بیرے کیوں ہوتے۔'' بیرا قدرے بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''تو کیا پچھلے جنم میں آپ شہزادے تھے کہیں کے؟'' اجنبی مہمان نے منہ چبا کر

Akram Allahabadi

کہا۔

''صاحب، میں پہلے ملٹری میں جمعدار تھا، مگر ہائے افسوس، ختم ہوگئی وار اور نہ رہی ملٹری نہ جمعدار۔'' وہ ٹھنڈی سانس بھر کر بولا۔

''تو گویا آپ شاعر بھی ہیں؟'' نووارد کو ہنسی آ گئی۔

''ہمارے منیجر صاحب کا قول ہے کہ ہر آدمی شاعر پیدا ہوا کرتا ہے اور ہر عورت غزل، مگر یہ حالات پر منحصر ہے کہ وہ شاعری کر سکے یا نہ کر سکے۔''

''تمہارے منیجر کافی عقلمند معلوم ہوتے ہیں۔''

''اس میں کیا شک ہے، صاحب، وہ چار دن میں آپ بھی مان جائیں گے۔''

''اچھا صبح مجھے ناشتے میں کیا ملے گا۔''

''آپ اپنی پسند کا ناشتہ لیں گے یا دستور کے مطابق؟''

''ہوٹل کے دستور کے مطابق کیا ملے گا؟''

''اگر ڈاکٹر گلبرٹ کا نیا بلیٹن جاری نہیں ہوا تو آپ کو ناشتے میں گھاس کا حلوہ ہی ملے گا، ورنہ پھر نئے بلیٹن میں لکھا ہو۔'' بیرے نے بتایا۔

''یہ بلیٹن روز جاری ہوتے ہیں کیا؟'' اجنبی نے دریافت کیا۔

''نہیں، صاحب۔ ان کی کوئی مدت یا معیاد نہیں، کسی بھی دن یہ بلیٹن جاری ہو سکتے ہیں۔''

''یہ ڈاکٹر گلبرٹ آخر ہیں کیا بلا؟''

''ایسا نہ کہیے، صاحب۔ وہ آدمی نہیں، فرشتہ ہے۔ اسے تمام شہریوں کی صحت کا کتنا خیال رہتا ہے، یہ آپ نہیں سمجھ سکتے۔ آپ کو معلوم نہیں کہ ان کے اسپتال سے مریضوں کا مفت علاج ہوتا ہے اور ہر طرح کے مریض شفایاب ہو کر لوٹتے ہیں۔'' بیرا بتانے لگا۔

''اور یہ ڈاکٹر زیئل کون ہیں؟'' اجنبی نے سوال کیا۔

Akram Allahabadi

"ان کا بھی عجیب واقعہ ہے، صاحب۔ پہلے تو یہ یہاں کے زیڈیل، یعنی تھرڈ کلاس ڈاکٹروں میں شمار ہوتے تھے، مگر جب سے ڈاکٹر گلبرٹ کے ساتھ انھوں نے اسپتال کھولا، تب سے تو ان کے ہاتھوں میا ؑ بھی جیسے جادو آ گیا ہے۔"

"خیر ہو گئے۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ "مجھے ناشتے میں صرف انڈے، مکھن، ٹوسٹ اور چائے چاہیے۔"

"بہتر ہے، لیکن آپ گھاس نہ کھا کر پچھتائیں گے۔" بیرے نے افسوس زدہ لہجے میں کہا۔

"کیوں؟"

"یہاں کی صحت کیلیے وہی چیز مفید ہوتی ہے، جس کا مشورہ ڈاکٹر گلبرٹ نے دیا ہو۔" بیرے نے معصومیت سے کہا۔

"اگر تم اتنے عقلمند نہ ہوتے تو جمعدار سے بیرے نہ بنے ہوتے۔ بہر حال میں نے جو کہا ہے، مجھے وہ ملنا چاہیے۔" نووارد نے بات مختصر کر دی اور باہر نکل گیا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

بے دم وکیل

لیکن وہی ہوا جسکی پیشین گوئی کی گئی تھی ۔تمام رات اسے کھٹی ڈکاریں آتی رہیں اور سینہ جلتا رہا۔اس نے اپنی پسند کا جو کھانا کھایا تھا، وہ اسے ہضم ہی نہیں ہوا۔اس نے اینو فروٹ سالٹ اپنے سوٹ کیس سے نکال کر دوبار پیا،لیکن گرانی برقرار رہی۔

صبح جب وہ اپنے کمرے سے نکلا تو اسے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ گھاس کھانے ولا ے تمام لوگ ہشاش بشاش نظر آرہی ہیں، جیسے کوئی تکلیف نہ ہو۔وہ ابھی صرف یہی جائزہ لینے کیلیے باہر گیلری میں ٹہل رہا تھا کہ وہی بیرا آ پہنچا۔

''صاحب،آپ کا ناشتہ میز پر لگا دیا گیا ہے۔''

''سب لے جاؤ، میں صرف چائے پیونگا۔''

''کیوں صاحب؟''بیرے نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''ابھی تک رات کا کھانا ہی ہضم نہیں ہوا ہے۔''

''میں نے تو پہلے ہی عرض کیا تھا۔''

''میں نے جو کہا ہے،بس وہ کرو۔''نووارد جھنجلا گیا اور بیرا سر ہلا کر لوٹ گیا۔

وہ چائے پینے بیٹھا ہی تھا کہ منیجر آ پہنچا۔وہ بڑا خوش خلق اور ہنس مکھ آدمی تھا۔

''میں نے سنا ہے آپ کو کچھ تکلیف ہے؟''اس نے آتے ہی پوچھا۔

''کوئی خاص نہیں،بس پیٹ میں گرانی سی محسوس ہو رہی ہے۔''

''ہوٹل کی کار حاضر ہے،آپ چاہیں تو خود اسپتال جا سکتے ہیں، ورنہ کہیں تو ڈاکٹر کو یہاں بلوا لیا جائے۔''

''اب میں اتنا نازک نہیں ہوں۔''نووارد مسکرایا۔

Akram Allahabadi

ٹیکسی والے کو صرف ڈاکٹر گلبرٹ کے شفا خانے کا نام بتانا ہی کافی تھا۔ گاڑی جب گلبرٹ کے پرائیوٹ اسپتال پر رکی تو اسے وہاں مریضوں کی بھیڑ نظر آئی۔ اسپتال کے دروازے دو تھے۔ ایک پر لکھا تھا امیروں کیلیے اور دوسرے پر لکھا تھا غریبوں کیلیے۔ اس نے جب ایک آدمی سے اس تفریق کے بارے میں پوچھا تو اسنے بتایا کہ غریبوں والے سیکشن میں علاج مفت ہوتا ہے اور امیروں والے سیکشن میں قیمت چارج کی جاتی ہے، دراصل نووارد کو اتنی تکلیف بھی نہ تھی کہ وہ دوا کا استعمال ضروری سمجھتا، لیکن اس نے دو ڈاکٹروں کے بارے میں جو کچھ سنا تھا، اس کی تحقیق کا شوق اسے یہاں کھینچ لایا تھا۔ وہ امیروں والے دروازے میں داخل ہوگیا۔ اس دروازے کے باہر کچھ ٹیکسیاں اور کاریں پہلے سے موجود تھیں۔ اندر سے ایک ہال میں بہت سے مرد اور عورتیں نظر آئیں۔ یہ لوگ بینچوں اور کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ہال میں مختلف کمرے تھے، جن کے دروازوں پر چپراسی موجود تھے۔ ایک چپراسی خود اس سے مخاطب ہوگیا۔

''آپ کو کیا تکلیف ہے، صاحب؟'' اس نے اس سے پوچھا۔

''تمہیں اس سے کیا؟'' نووارد نے ناخوشگوار موڈ میں کہا۔ ''میں ڈاکٹر گلبرٹ سے ملنا چاہتا ہوں۔''

''بڑے صاحب سے، مگر وہ یہاں کب آتے ہیں، وہ تو کوئی خاص کیس ہو تب بلایا جاتا ہے انھیں۔'' چپراسی نے پر اخلاق لہجے میں بتایا۔

''اور ڈاکٹر زیٹل؟''

''شاید وہ آج آئے ہیں، لیکن پہلے آپ کو ملنے کی وجہ بتانی پڑے گی، ممکن ہے آپ کو کوئی ایسی تکلیف ہو جو ان کے اسسٹنٹ ہی رفع کرسکیں تو۔'' چپراسی نے کہا۔

''میں ان سے ہی مل کر بتاؤں گا۔''

''اچھا تو اس سلپ پر لکھ دیجیے۔'' چپراسی نے ایک سلپ بک اس کی طرف

بڑھادی۔جس میں آنے والے کا نام، کیوں ملنا چاہتا ہے،اس کی وجہ اور جس سے ملنا چاہتا ہے اس کا نام لکھنے کے خانے بنے ہوئے تھے۔نووارد نے اس پر اپنا نام لکھا 'صفدر سنگھ نامی'۔ دوسرے خانے میں اس نے ڈاکٹر زیٹل کا نام لکھا اور تیسرے خانے میں جو وجہ ملاقات کا خانہ تھا،اس نے لکھ دیا،'' کہتے ہیں جسے عشق خلل دماغ کا''۔

چپراسی نے ایک بار سلپ کو غور سے دیکھا پھر نووارد کے چہرے کو اور کچھ نہ سمجھتے ہوئے وہ سلپ لے کر ایک کمرے میں چلا گیا،جس کے دروازے پر تختی لگی تھی،'ڈاکٹر زیٹل'۔ وہ ایک منٹ بعد ہی باہر آ گیا۔

''تشریف رکھیے، ڈاکٹر صاحب ابھی ذرا مصروف ہیں۔آپ کو بعد میں بلائیں گے۔''

چپراسی نے اس سے کہا اور وہ بیٹھنے کی بجائے ہال میں ٹہلنے لگا۔اسے یہاں کے ماحول، یہاں کے مرضوں میں کوئی تصنع یا حماقت نظر نہ آئی اور وہ ہوٹل میں واقع ہونے والے حالات کی روشنی میں اس پر غور کرنے لگا۔یہ تو وہی مثل ہوئی تھی کہ شکار پورد یکھنے آئے اور خود شکار ہو گئے۔اور شاید وہ بڑی سنجیدگی سے اس کا قائل ہو جاتا،مگر اسی وقت ایک مریض سے ٹکرا گیا اور ٹکراتے ہی چونک پڑا۔

''معاف کیجیے گا، میں اس ایکسیڈنٹ کی رپورٹ کرونگا۔''وہ برا سا منہ بنا کر بولا۔

''جی، کیا مطلب؟''نووارد نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''معاف کیجیے گا،قانونِ اخلاقیات کے مطابق آپ مجرم ہیں۔''

''کونسا جرم کیا ہے میں نے؟''نووارد بھی اس میں دلچسپی لینے لگا۔

''معاف کیجیے گا، آپ کا نام سورداس بھی نہ ہوگا اور آپ دو آنکھیں بھی رکھتے ہیں۔''وہ مریض چڑچڑے پن سے کہتا گیا۔

''بہتر میں ہے، میں نے معاف کیا،اب آپ اپنا راستہ لیجیے۔''نووارد بھی جھنجلا

گیا۔

"کمال ہے آپ کیسے معاف کر سکتے ہیں، ایکسیڈنٹ تو خود آپ نے کیا ہے، معاف کیجیے گا۔" وہ الجھنے لگا۔

"ارے بھئی، جانے بھی دیجیے۔ بیچارے نو وارد معلوم ہوتے ہیں کوئی۔" ایک ادھیڑ عمر آدمی نے بیچ بچاؤ کیلیے مداخلت کرتے ہوئے کہا۔

"معاف کیجیے گا، نو وارد ہو یا نو تولد، قانون تو قانون ہے۔" وہ اور بگڑ گیا۔

"اب آپ معاف بھی کریں گے یا...؟" نو وارد نے بھی آنکھیں نکالیں۔

"ملاحظہ فرمایے، حضرات۔ ملاحظہ فرمایے۔ اسے کہتے ہیں ڈھٹائی۔ یعنی زبردستی معاف کرا رہے ہیں آپ، معاف کیجیے گا۔" وہ دوسروں کو مخاطب کر کے گویا فریاد کرنے لگا۔

"اچھا تو زبردستی ہی سہی۔" نو وارد نے یہ کہہ کر اس کا گریبان تھام لیا۔ "چلیے، معاف کیجیے اب۔"

"م، معاف کیجیے گا، آپ دہرا جرم کر رہے ہیں، ذرا سمجھیے۔" وہ پھر قانون گنانے لگا۔

"پہلے آپ معاف کر دیجیے، میں بعد میں سمجھونگا۔" نو وارد بھی اپنی زبردستی پر جما رہا۔

"ارے بھئی وکیل صاحب، آپ بھی بڑے ڈھیٹ ہیں۔ معاف کیوں نہیں کر دیتے۔ یہ کوئی بگڑے دل حضرت معلوم ہوتے ہیں۔" اس صلح جو آدمی نے اس بار مریض کو ہی سمجھایا۔ اور مریض کچھ مایوس ہو کر نو وارد کی طرف دیکھنے لگا۔

"اچھا، اچھا معاف کیا، لیکن گریبان چھوڑیے میرا۔"

نو وارد نے اس کا گریبان چھوڑ دیا۔ ڈاکٹر زینل کا چہراسی یہ واقعہ دیکھ کر منہ پر ہاتھ رکھے ہنس رہا تھا۔

''آپ کوئی غنڈے ہیں شاید، معاف کیجیے گا۔''مریض نے منہ بنا کر کہا۔''مجھے ہیرا چند گھیرا چند وکیل کہتے ہیں۔''اس نے ساتھ ہی اپنا تعارف بھی کرا دیا۔

''بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔''اجنبی اچانک ہنس پڑا۔

''اپنا تعارف کرایئے۔''وکیل نے فرمائشی انداز میں کہا۔

''ناسک رام دیوولالی سمجھ لیجیے۔''نووارد نے پر مذاق لہجے میں کہا۔

''معاف کیجیے گا، یعنی آپ صرف مجھے سمجھا رہے ہیں، یا خود بھی ایسا ہی سمجھتے ہیں۔'' مریض وکیل نے بڑی سنجیدگی سے اس کی شکل دیکھتے ہوئے پوچھا۔نووارد کی کھوپڑی گھومنے لگی۔عجیب لوگ ہیں یہ بھی۔اتنے مہذب اور سنجیدہ پاگل۔

''آپ کو کیا تکلیف ہے جو یہاں تشریف لائے؟''وکیل نے اس سے خود سوال کیا۔

''مجھے مرضِ عشق ہو گیا ہے۔''نووارد بڑی سنجیدگی سے بولا۔

''معاف کیجیے گا، تب تو آپ مبارکباد کے مستحق ہیں۔ویسے اس مرض میں آپ کو ڈاکٹر سے زیادہ ایک وکیل کی مدد کی ضرورت ہوگی اور میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ فرہاد اور مجنوں وغیرہ سب الو کے پٹھے تھے۔اور وہ زہرِ عشق والی مثنوی بھی۔آئی ایم ساری، شاید غلط کہہ گیا، وہ کوئی سوداگر تھا۔''وکیل گہری سنجیدگی سے کہتا گیا۔

''آپ کیا سرپرستی فرماتے تھے ان کی؟''نووارد نے منہ چبا کر سوال کیا۔

''میں کہتا ہوں، معاف کیجیے گا، یعنی وہ کسی بھی وکیل کی مدد لیتے تو لیلیٰ کا باپ شیریں کا والد اور مثنوی زہرِ عشق کے پتاجی بھی ان کا کچھ نہ بگاڑ سکتے۔یعنی ہر بالغ کو اس بات کا حق ہے کہ وہ جس سے چاہے عشق کرے یا شادی۔خواہ وہ کوئی گدھے کا بچہ ہی کیوں نہ ہو۔'' وکیل صاحب نے توضیح کی۔اور ان کی اس گفتگو سے وہاں موجود کچھ دوسرے بھی دلچسپی لینے لگے۔

Akram Allahabadi

''لیکن مجھے تو اس شہر سے عشق ہو گیا ہے۔'' نووارد نے بتایا۔

''معاف کیجیے گا، شہر ہرگز مونث نہیں ہوتا اور نہ آپ مونث ہیں۔ اس لیے قانون کی رو سے آپ کا عشق نا جائز ہے، قطعی نا جائز۔ آپ کسی رومن کی اولاد معلوم ہوتے ہیں، معاف کیجیے گا۔''

''خیر چلیے، میں نے ہزار بار معاف کیا۔''

''کیوں؟ میں نے کیا قصور کیا ہے؟''

''آپ خود معافی مانگتے جا رہے ہیں۔''

''اوہ، تب ہی تو میں نے عرض کیا تھا کہ آپ آدمی کم اور غنڈے زیادہ معلوم ہوتے ہیں، جناب۔ معاف کیجیے گا۔ تہذیب کا پہلا اصول یہ ہے کہ ہر بات کہنے سے پہلے معاف مانگ لی جائے تا کہ اگر سننے والے کو بات ناگوار بھی گزرے تو وہ اس معافی کے پیشِ نظر اسے نظر انداز کر جائے۔ مجھے آپ، معاف کیجیے گا۔''

''آپ کی فرمائش ہو تو میں غنڈہ گردی کے دو چار ہاتھ بھی دکھا دوں۔'' نووارد نے پیشانی پر بل ڈالتے ہوئے کہا۔

''ارے، یعنی آپ غالباً ناراض ہو گئے۔ جناب محترم، اس شہر میں آزادیِ رائے اور آزادیِ اظہارِ خیال ہماری جمہوریت کے نمبر ایک اور نمبر دو اصول ہیں۔'' وکیل نے اسے سمجھانے والے انداز میں کہا۔

''اور ہماری جمہوریت میں تین نمبر اصول آزادیِ عمل بھی ہے۔'' نووارد بولا۔

''خیر خیر، اگر میرے ایماندارانہ اظہارِ خیال سے آپ کو تکلیف ہوتی ہو تو معافی چاہتا ہوں۔'' وکیل نے مجسم تہذیب ہو کر معذرت خواہی کی۔

''آپ واقعی دلچسپ آدمی ہیں۔'' نووارد بولا۔

''وکیل صاحب اپنی قانون دانی کیلیے اس علاقے میں مشہور ہیں۔'' ایک دوسرے

آدمی نے دخل دیتے ہوئے تعریف کی۔

''معاف کیجیے گا، جناب، قانون مذکر ہے، اس کے ساتھ آپ 'دانی' نہیں لگا سکتے۔''وکیل اس کی طرف گھوم پڑا۔

''ویسے آپ کو کیا تکلیف ہے جو یہاں تشریف لائے ہیں؟'' نووارد یونہی وقت گزارنے کیلیے سلسلہِ کلام جاری رکھتے ہوئے پوچھ بیٹھا۔

''یہ عجیب مصیبت ہے، جناب والا۔'' وکیل لمبی سرد آہ کھینچ کر بولا۔''میں تو ڈاکٹر صاحب سے صرف یہ پوچھنے حاضر رہوا ہوں کہ ڈارون کی تھیوری کے مطابق اگر انسان بندر کی اولاد ہے تو میرے دم کیوں نہیں ہے۔یعنی معاف کیجیے گا، اس کا مطلب یہ ہوا کہ میری ساخت نامکمل ہے۔میں اس کمی کو پورا کرانے آیا ہوں۔''وکیل نے کمالِ سنجیدگی سے کہا۔

''واقعی یہ کمی تو افسوسناک ہے۔''نووارد نے افسوس زدہ لہجے میں کہا۔

''اور جناب، معاف کیجیے گا، حیرت تو اس بات پر ہے کہ میرے خاندان بھر میں کسی کے دم نہیں ہے، بلکہ اتفاق سے کل اجلاس پر میں نے ایک عظیم مقدمہ اس تھیوری پر جیتا ہے، یعنی ایک قتل کے کیس کے ملزم کو میں نے سزا سے بچالیا۔آپ جانتے ہیں کیا ہوا؟''

''آپ ہی بتا دیجیے۔''نووارد نے بیچارگی کی صورت بن کر کہا۔

''جناب، جرم ثابت ہو چکا تھا کہ میں نے جج صاحب سے پہلا سوال یہی کیا کہ کی آپ کے دم ہے؟ وہ فرمانے لگے نہیں۔میں نے ڈارون کی تسلیم شدہ تھیوری سامنے رکھ دی اور ثابت کردیا کہ اس طرح جج صاحب مکمل انسان نہیں، اس لیے انھیں عدالت کی کرسی پر بیٹھنے اور فیصلہ دینے کا بھی حق نہیں۔پھر میں نے مجرم کے بارے میں بھی یہی سوال کیا، چنانچہ اجلاس پر موجود پولیس والوں نے جب اسکی تلاشی لی، تو جناب عالی۔''یہاں تک کہہ کر اس کا لہجہ بہت دھیما ہوگیا، جیسے وہ کوئی راز کی بات کہہ رہا ہو۔''تو جناب عالی، اس کے بھی دم نہ تھی۔''

''ویری گڈ۔''نووارد نے بے ساختہ کہا، حالانکہ ہنسی روکنے کی کوشش میں اس کا چہرہ

Akram Allahabadi

سرخ ہوگیا تھا۔

''چنانچہ فردِ جرم کیونکہ مکمل انسان پر ہی لگ سکتی ہے، اس لیے مجرم بھی مکمل انسان نہ ہونے کی وجہ سے چھوڑ دیا گیا۔ اور جج صاحب بھی اپنی دم تلاش کر رہے ہیں۔'' وکیل نے بڑے فخریہ انداز میں بتایا۔

''واقعی، بڑا شاندار کیس جیتا آپ نے۔'' نووارد نے اسکی تعریف کی۔

''وہ تو خیریت ہوگئی، جناب عالی۔'' وکیل اس کے کان کے پاس منہ لاکر بولا۔ ''کہ جج صاحب کو میری دم کا خیال نہیں آیا، ورنہ میں بھی نامکمل انسان کی حیثیت سے وکالت کا نااہل قرار دیدیا جاتا، معاف کیجیے گا۔ اسی لیے تو میں ڈاکٹر صاحب کے پاس حاضر ہوا ہوں کہ ان سے کوئی ایسی دعا یا ٹوٹکا حاصل کرسکوں جس سے میری دم اگ آئے۔''

''جواب نہیں آپ کی عقلمندی کا۔'' نووارد نے اس کی تعریف کی۔ بات اتنی ہی ہو پائی تھی کہ کہ ڈاکٹر کا چپراسی قریب آگیا۔

''جناب، آپ کو یاد فرمایا جارہا ہے۔'' اس نے نووارد کی طرف اشارہ کرکے کہا۔

''اوہ، اچھا وکیل صاحب، یار زندہ صحبت باقی۔'' نووارد نے رخصت ہوتے ہوئے کہا۔

''معاف کیجیے گا، بڑی گھٹیا زبان استعمال کی ہے آپ نے۔ یعنی تہذیب سے گری ہوئی۔ یہ یاروارا اچھی سوسائٹی میں نہیں باندھے جاتے اور صحبت وغیرہ بھی، چھی۔'' وکیل بڑبڑاتا رہ گیا، لیکن تب تک نووارد ڈاکٹر زیتل کے کمرے میں داخل ہو چکا تھا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

ڈاکٹر زیٹل

ڈاکٹر زیٹل اپنی بڑی بڑی سیاہ مونچھوں اور بھرے ہوئے چہرے کے ساتھ ڈاکٹر کم اور مارشل اسٹالن زیادہ معلوم ہوتا تھا۔اسکی بھوئیں موٹی اور آنکھوں کے پپوٹے بھاری تھے۔ زیادہ غور سے دیکھنے پر اس کے بشرے پر سنجیدگی سے زیادہ مسخرے پن کے آثار نظر آتے تھے۔ اس نے نووارد کو سر سے پیر تک غور سے دیکھا اور پھر سنجیدگی سے بولا۔

''آپ تشریف مت رکھیے۔''

''جی؟''نووارد اس غیر متوقع جملے پر چونک پڑا۔

''یعنی اب میں ہی آپ سے کہوں کہ بیٹھیے تو آپ بیٹھیں گے؟ میں ڈاکٹر ہوں، میزبان نہیں ہوں۔''اس نے منہ بنا کر کہا۔

''لیجیے میں بیٹھ گیا۔''نووارد اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا۔

''تو آپ کو عشق کا مرض لاحق ہو گیا ہے۔''اس نے سلپ پر دوبارہ نظر ڈال کر پوچھا۔

''معلوم تو یونہی ہوتا ہے۔''نووارد نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''کیا میں لڑکی کا باپ ہوں؟''ڈاکٹر نے بغیر کسی نا خوشگواری کے نرمی سے سوال کیا۔

''میں سمجھا نہیں۔''نووارد نے معصوم صورت بنا کر کہا۔

''سیدھی بات ہے۔میرا مطلب ہے کہ اگر آپ کی محبوبہ میری لڑکی ہوئی تو میں یقیناً آپ کیلیے اس سے سفارش کر دوں گا۔یہ تو حقیقت پسندی کا زمانہ ہے۔''ڈاکٹر نے بڑی سادگی سے کہا۔

Akram Allahabadi

"کچھ ایسی ہی بات ہے۔" نووارد نے کچھ عجیب انداز میں سر کو جھکا کر کہا

"اوہ۔" ڈاکٹر نے کسی حیرت کے بغیر کہا۔ "خیر کوئی بات نہیں، آپ مجھے کچھ ماڈریٹ قسم کے عاشق معلوم ہوتے ہیں، میں براہِ راست گفتگو پسند کرتا ہوں۔

"شکریہ۔"

"ویسے آپ کیا شغل فرماتے ہیں؟"

"کبھی آہِ سرد بھرنا، کبھی ان کا ذکر کرنا۔" نووارد نے شاعرانہ انداز سے سرد آہ کھینچ کر کہا۔

"ان کا، یعنی میری لڑکی کا؟" ڈاکٹر نے پوچھا۔ "آپ رہتے کہاں ہیں؟"

نووارد شرما کر بولا۔ "زمین کے اوپر، فلک کے نیچے۔ کبھی یہاں کبھی وہاں۔ ہمیں نہ منزل کا ہی پتا ہے نہ یہ پتا ہے کہ ہم کہاں ہیں۔" نووارد نے پھر شعر عرض کر دیا۔

"لاحول ولاقوۃ۔ یہ ریڈیائی مواصلات کا زمانہ ہے اور آپ کو اپنی منزل کا بھی پتا نہیں۔" ڈاکٹر زز ینٹل نے صاف ہندوستانی لہجے میں کہا۔ "بہرحال مجھے آپ کے جغرافیے سے دلچسپی نہیں۔"

"اگر آپ کو میری لڑکی سے ہی عشق ہے تو میں ایک ڈاکٹر کی حیثیت سے آپ کی سفارش کرونگا، آپ باہر ویٹنگ روم میں تشریف رکھیے۔" ڈاکٹر نے دوسرے مریض کی سلپ نکالتے ہوئے اس سے کہا۔

"بہتر ہے۔" نووارد اٹھ کر باہر نکل گیا۔ اور ڈاکٹر اپنی پنسل دانتوں میں دبا کر کچھ سوچنے لگا۔ نووارد یہاں آیا کس لیے تھا اور بات کہاں پہنچ گئی۔ خدا جانے اس میں اس کی ذہنی رو کو دخل تھا یا دانستہ، لیکن وہ اس عالم میں بھی سنجیدہ نظر آرہا تھا۔

ڈاکٹر کو مریضوں سے فارغ ہونے میں ایک گھنٹہ لگ گیا۔ اس کے بعد وہ خود اپنے کمرے سے نکل آیا۔ نووارد اسے دیکھ کر فدویانہ شکل بنائے کھڑا ہو گیا۔

Akram Allahabadi

''آیئے میرے ساتھ۔'' ڈاکٹر نے اسے اشارہ کیا۔اور وہ کسی سعادت مند شاگرد کی طرح اس کے پیچھے چلنے لگا۔باہر ڈاکٹر کی شاندار ڈاج کنگز وے موجود تھی۔ڈاکٹر نے اسے برابر والی نشست پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود کار ڈرائیو کرنے لگا۔

☆☆☆☆☆☆

مختلف علاقوں سے گزرتی ہوئی ڈاکٹر کی کار ایک چھتری آبادی والے علاقے میں ایک شاندار زرد رنگ کی کوٹھی کے احاطے میں داخل ہوگئی۔دروازے پر ایک خوفناک سی شکل کا گورکھا موجود تھا، جو کار کو دیکھتے ہی ادب سے ایک طرف ہٹ کر کھڑا ہوگیا۔کار عمارت کے پورٹیکو میں رک گئی۔

ایک ملازم اندر سے نکل آیا، لیکن یہ بھی دیکھنے میں کوئی اچھا آدمی نہ معلوم ہوتا تھا، یا ممکن ہے اس کی شکل ہی کچھ ایسی واقع ہوئی ہو۔اس نے جلدی سے آگے بڑھ کر ڈاکٹر کی کار کا دروازہ کھول دیا اور ڈاکٹر اور اس کے پیچھے نووارد دونوں کار سے اتر گئے۔

''آیئے، آیئے، یہ میرا غریب خانہ ہے اور ممکن ہے کبھی آپ کی سسرال بھی ہوجائے۔'' وہ اندر کی طرف اس کی رہنمائی کرنے لگا۔مگر نووارد کی سنجیدگی میں ذرہ بھر فرق نہیں آیا۔وہ شکریہ کہہ کر خاموش ہوگیا۔

اسے اک ڈرائنگ روم میں بٹھا کر ڈاکٹر چند منٹ کیلیے اس سے رخصت لے کر چلا گیا اور نووارد اس کمرے کی آرائش کا جائزہ لینے لگا۔مغربی طرز کی اس آرائش میں ایسں کہیں کہیں ہندوستانیت کی جھلک بھی نظر آئی۔یہ غالباً اسی شہر کے کچھ مضافاتی مناظر کی برش سے بنائی گئی تصویریں تھیں۔وہ انھیں دیکھتا رہا۔تقریباً پانچ منٹ بعد اسے کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی۔اس نے مڑ کر دیکھا۔ڈاکٹر پہلے داخل ہوا پھر اس کی لڑکی۔یہ جو کچھ ہو رہا تھا، محض اتفاقاً۔

ویسے ڈاکٹر کی لڑکی تھی بھی اس قابل کہ اس کے جلووں کو زینت قلب وجگر بنایا جا سکے۔ رنگ کھلا ہوا اور نقوش ہندوستانی تھے۔ اعضاء کا تناسب اسے ایک پرکشش مجسمہِ شباب کی شکل میں ڈھالے ہوئے تھا۔ اس کی پلکیں گھنیری اور سیاہ تھیں اور بال سیاہ ہوتے ہوئے بھی کسی قدر سرخی مائل تھے۔ وہ سادہ سے گھریلو لباس میں تھی۔ اس نے زرد رنگ کی افراک پہن رکھا تھا اور اس کی سڈول پنڈلیاں عریاں نظر آ رہی تھیں۔ نووارد پلکیں جھپکا کر اسے دیکھنے لگا۔

''اوہ، آدمی تو اچھے خاصے معلوم ہوتے ہیں۔'' لڑکی نے دونوں ہونٹ سکوڑ کر منہ سے ہلکی سی سیٹی بجاتے ہوئے کہا، پھر وہ نووارد کو سر سے پیر تک دیکھنے لگی۔

''میں چلتا ہوں، مجھے ایک خاص مریض کو دیکھنے جانا ہے، تم ذرا ان کی مدد کرنے کی کوشش کرو۔'' ڈاکٹر نے یہ کہا اور نووارد کی طرف دیکھے بغیر کمرے سے نکل گیا۔ اب اس روم میں وہ دونوں تنہا رہ گئے تھے۔ نووارد نے لڑکی کے سامنے شرمایا سا معلوم ہونے لگا، لیکن وہ مسکرا رہی تھی۔

''پاپا کہہ رہے تھے آپ کو مجھ سے عشق ہو گیا ہے؟'' اس نے اس کے قریب آ کر لوچدار آواز میں پوچھا۔

''جی ہاں، معاملہ تو کچھ ایسا ہی ہے۔'' نووارد جھینپی ہوئی آواز میں بولا۔

''لیکن میں نے تو آج سے پہلے کبھی آپ کی صورت نہیں دیکھی؟''

''نہ دیکھی ہو گی، اس میں میرا کیا قصور ہے۔'' نووارد نے بیچارگی سے کہا۔

''آپ کو کب سے عشق ہوا ہے مجھ سے؟'' لڑکی نے اس کے سامنے ہی بیٹھتے ہوئے کہا۔

''ساڑھے تین دن ہو چکے ہیں۔'' وہ بڑی معصومیت سے بولا۔

''آپ نے کہاں دیکھا تھا مجھے؟''

''خواب میں۔''

''اوہ،تو خواب میں دیکھ کر آپ عشق کر بیٹھے۔''

''آپ میرا مذاق اڑا رہی ہیں۔کر بیٹھنا کیا معنی،آپ نے غالب کا وہ شعر نہیں سنا ہے شاید...''نووارد نے کہنا چاہا۔

''مجھے معلوم ہے،یعنی ۔وہ آگ جو لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بجھے۔''

''جی،بالکل وہی۔''

''اچھا کیا خواب دیکھا تھا آپ نے؟''

''میں نے دیکھا کہ میں ایک اڑن کھٹولے پر آسمان میں اڑتا ہوا گا رہا ہوں،

اڑن کھٹولے پے اڑ جاؤں،تیرے ہاتھ نہ آؤں۔اسی وقت کسی نے کسی نے میری ٹانگ پکڑ کر گھسیٹ لی،آواز آئی،'ہاتھ کیسے نہ آؤ گے،میں تو تمہیں عمر قید میں رکھونگی۔میں نے جو غور سے دیکھا تو وہ بہت خوبصورت پری تھی اور اس کی شکل بالکل آپ جیسی تھی۔پھر صبح میں نے کینوس پر اس کی تصویر اپنے ہاتھوں سے بنائی جسے دیکھ کر میرا ایک دوست حیرت سے اچھل پڑا اور اس نے مجھے بتایا کہ یہ تو ڈاکٹر زیتل کی لڑکی کی تصویر ہے۔چنانچہ اسی وقت سے میں کئی کئی میلو میٹر لمبی لمبی سرد آہیں بھر رہا ہوں۔آج ضبط نہ ہو سکا تو خود او کھلی میں سر دینے چلا آیا۔''نووارد نے بڑی شائستگی اور سنجیدگی سے بتایا۔

''تو یعنی خدا داد عشق ہوا ہے آپ کو؟''کیٹی نے تبصرہ کیا۔

''کاش،آپ بھی میرے لیے خدا داد ہوتیں۔''

''آپ کرتے کیا ہیں؟''

''باپ دادا حجامت فرماتے تھے،لیکن خاکسار مصوری کرتا تھا،مگر جب سے آپ سے عشق ہوا ہے خود ایک تصویر حیرت بن کر رہ گیا ہوں۔''وہ بڑے حسرت زدہ لہجے میں بولا۔

''آپ کا نام؟''

Akram Allahabadi

''کچھ ایسے کھوئے ہیں ملتا نہیں نام ونشاں اپنا۔''

''ذرا ڈھونڈھ کر بتایئے نا۔'' وہ بڑے محبوبانہ ادا سے بولی اور نووارد اس انداز تخاطب پر خود ہی شرما گیا۔

''ارے ہاں، یاد آ گیا، میرا نام گلقند نامی ہے، نہیں نہیں، صفدر سنگھ نامی۔''

''نامی تو میرے کتے کا بھی نام ہے۔''

''ہائے، کتنا خوش نصیب ہوگا وہ۔ آپ جب اسے پیار سے بلاتی ہونگی آپ کے قدموں میں لوٹ لوٹ جاتا ہوگا۔ مجھے بھی ایک بار اسی طرح پکاریے۔'' نووارد نے بڑے ملتجیانہ انداز میں کہا۔

''نا...می...'' کیٹی نے لچکدار آواز میں ٹل کھا کر کہا۔

''ہائے، وٹس مور، پلیز۔''

''نامی...'' کیٹی نے مسکراتے ہوئے دوبارہ پکارا۔

''سمجھ میں نہیں آتا کہ جواب میں بھوں بھوں عرض کروں یا حاضر جناب کہوں۔'' وہ دونوں ہاتھ سینے پر رکھ کر لہراتے ہوئے بولا۔

''آپ کو واقعی عشق ہو گیا معلوم ہوتا ہے۔'' کیٹی نے ہنس کر کہا۔

''مجھے اپنے کتے کی جگہ باندھ لیجیے نا۔ میں ساری عمر آپ کو شکیل بدایونی کی غزلیں سنایا کرونگا۔'' نووارد نے بڑی حسرت سے درخواست کی۔

''دیکھیے، مجھے کچھ وقت بھی تو دیجیے سوچنے کیلیے۔'' وہ سنجیدہ ہو کر بولی۔

''جی ہاں، جی ہاں، کیوں نہیں۔'' نووارد نے خوش ہو کر کہا۔

''تو پھر اب کب آئیں گے آپ؟'' وہ اٹھتے ہوئے پوچھنے لگی۔

''یعنی کیا مجھے یہاں سے جانا بھی پڑے گا؟''

''ابھی ایسا وقت نہیں آیا ہے کہ آپ ہمیشہ کیلیے یہیں ڈیرا جمالیں۔ میرے گھر کے

دروازے آپ کیلیے کھلے ہیں، پھر تشریف لایے گا۔"

"مثلاً کل؟"

"شوق سے۔" وہ مسکرادی۔

"تو آج جانا ہی پڑے گا؟" نووارد بھی منہ لٹکا کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"بے شک، آج کا کورس تو ختم ہوگیا۔"

"محبت کا؟" وہ ہنس کر بولا۔

"آپ نے ابھی تک پتا نہیں بتایا اپنا؟ ممکن ہے کبھی میرا دل خود آپ سے ملنے کو چاہے۔" کیٹی نے بڑے پر محبت انداز میں سوال کیا۔

"میں ہوٹل ۱۹۸۰ء میں ٹھہرا ہوا ہوں، نام تو پہلے ہی گوش گزار کر چکا ہوں۔" نووارد نے بتایا۔

"نامی۔" کیٹی نے پھر اسی ادائے محبوبانہ سے دہرایا۔

"ہے، پھر کہیے۔" وہ قربان ہونے لگا۔

"نا...می..."

"ایک بار اور۔"

"نامی..."

"بس جی چاہتا ہے یہیں پچھاڑیں لگانے لگوں۔"

"آج نہیں، باقی آئندہ۔"

"آں... مگر گزشتہ سے پیوستہ تو رہے گا، یا نیا ایڈیشن؟"

"آپ کے جذباتِ دل پر موقوف ہے، جتنی شدت، اتنی کشش۔" وہ مسکرا کر بولی۔

"ہائے، آپ کیا جانیں، میں کس قدر شدید قسم کا آدمی ہوں۔ میں آپ کیلیے کچے

Akram Allahabadi

گھڑے پر دریائے نربدا پار کر سکتا ہوں۔ میں روس کے راکٹ میں بیٹھ کر آپ کیلیے آسمان کے تارے توڑ کر لا سکتا ہوں۔فرہاد نے ایک نہر کاٹی تھی، میں آپ کیلیے پورا بھاکڑہ منگل پروجیکٹ کاٹ سکتا ہوں...''

''میں نے کہا نا، باقی آئندہ۔'' کیٹی نے اس کی بات کاٹ دی۔

''اچھا، بائی بائی۔'' یہ کہہ کر وہ تیزی سے مڑی اور دروازے سے نکل گئی۔

''ارے، مگر سنیئے تو۔'' نووارد اس کے پیچھے آواز دیتا ہوا دوڑا، لیکن ایک بگڑی ہوئی سی شکل کا ملازم اس کے اور دروازے کے درمیان حائل ہو گیا۔

''اب آپ تشریف لے جا سکتے ہیں۔'' وہ اسے تیز نظروں سے گھورتے ہوئے بولا۔

''اچھا، سگِ لیلیٰ صاحب، آپ بھی دھونس جما لیجیے۔'' نووارد بڑبڑاتا ہوا لوٹ پڑا۔مگر ملازم کچھ بولا نہیں، وہ اسے اس وقت تک گھورتا رہا، جب تک کہ نووارد احاطے کے باہر نہیں نکل گیا۔

☆☆☆☆☆☆

''وہ گیا، بے بی۔'' ملازم نے اندر آ کر کیٹی کو خبر دی۔

''اچھا، دوسرے کمرے سے فون یہیں اٹھا لاؤ۔'' کیٹی نے حکم دیا اور وہ چلا گیا۔ دوسرے لمحے جب وہ لوٹا تو اس کے ہاتھ میں فون کا سیٹ تھا جو اس نے کیٹی کے سامنے تپائی پر رکھ دیا۔کیٹی نے ہاتھ سے اشارہ کیا، اور وہ باہر چل گیا۔کیٹی کسی کے نمبر ڈائل کرنے لگی۔فون کنکٹ ہو گیا۔

''ہیلو۔'' اس نے گفتگو شروع کی۔''یس پاپا...وہ چلا گیا...لیکن شاید پھر آئے...میں قطعی طور پر کوئی فیصلہ نہیں کر سکی۔ہاں بھی ممکن ہے اور نہیں بھی۔باتوں سے تو تعلیم یافتہ اور کافی

تیز معلوم ہوتا ہے۔کیا...؟ آپ خود فیصلہ کرلیں گے؟نہیں پاپا، اتنی جلد بازی نہ کیجیے۔میں کم از کم اسے ایک موقع اور دینا چاہتی ہوں۔اوہ..اچھا جیسی آپ کی مرضی۔میں نے کہا نا کہ اس کی دماغی کیفیت کا صحیح اندازہ لگانا آسان نہیں تھا۔بہتر ہے، میں آپ کی ہدایت کا انتظار کرونگی۔نام صفدر نامی، پتا بتایا تھا، ہوٹل ۱۹۸۰ء۔بس اور کچھ نہیں۔"

یہ کہہ کر اس نے رسیور کریڈل پر رکھدیا اور کمرے کی چھت کو گھورتے ہوئے کچھ سوچنے لگی۔پھر اس نے ملازم کو آواز دے کر کہا کہ فون اٹھا کر لے جائے اور دوسرے کمرے میں چلی گئی۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

پیغام

آج کوئی بلیٹن جاری نہیں ہوا تھا، اس لیے ڈائٹ میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی، البتہ کل اور پرسوں کے بالمقابل، آج گھاس کو مختلف شکلیں دیدی گئی تھیں۔ مثلاً ابلی ہوئی گھاس، چٹپٹی گھاس، میٹھی گھاس، گھاس کی چٹنی، گھاس کا بھرتا وغیرہ وغیرہ۔ اس کے کھانے کے ساتھ بھی اس قسم کی کچھ متفرقات آئی تھیں، لیکن آج انھیں دیکھ کر وہ نہ جھنجلایا نہ اس نے بیرے سے کچھ کہا، بلکہ بڑے اطمینان سے کھانے پر بیٹھ گیا اور بیرے کو اس نے یہ کہہ کر رخصت کر دیا کہ کھانے کے بعد برتن اٹھا لے جانا۔ بیرے کو جب وہ برتن اٹھانے آیا تو یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ نووارد نے گھاس کی متفرقات کی پلیٹیں بھی صاف کر دی تھیں۔ وہ حیرت سے اس کی شکل دیکھنے لگا۔

''کیوں، اس طرح کیوں دیکھ رہے ہو مجھے؟'' اس نے خود ہی بیرے سے پوچھ لیا۔

''صاحب، تعجب ہے کہ آپ بھی گھاس کھا گئے۔'' بیرے نے صاف گوئی سے کام لیا۔

''جب سارا شہر گھاس کھا رہا ہے تو میں کیا آسمان سے اترا ہوں۔'' نووارد نے منہ بنا کر کہا۔ ''کل نہیں کھائی تھی، تو میرا کھانا ہضم نہیں ہوا تھا۔''

''نہیں صاحب، میرا مطلب تو یہ تھا کہ آپ بہت جلدی یہاں کی خوراک اور آب و ہوا کے عادی ہو گئے۔'' بیرا بولا۔

''کیوں، کیا عادی ہونے میں سالہا سال لگتے ہیں؟''

''صاحب، یہاں آنے والے لوگ تو پہلے پہل ان باتوں کا مذاق اڑاتے ہیں، مگر

جب اپنی مرضی کی خوراک کھا کر ان کی طبیعت خراب ہوتی ہے تو ان ہی چیزوں کے عادی ہو جاتے ہیں۔''

''تب تو میں نے اچھا ہی کیا نا کہ پہلے ہی عادی ہو گیا۔''

''اب آپ یہاں آرام سے اور تندرست رہیں گے۔'' بیرے نے بتایا۔

''خیر، مگر ابھی کچھ دنوں تک یہاں کی ڈائٹ کے ساتھ ساتھ مجھے کچھ اپنا کھانا بھی چاہیے، اچانک تو پرانی عادتیں بھی نہیں چھوڑی جا سکتیں۔'' نووارد نے کہا۔

''صاحب، میں نوٹ کرا دونگا۔'' بیرا یہ کہہ کر چلا گیا، مگر اس کے جانے کے کچھ دیر بعد ہی منیجر بھی آ پہنچا۔ اس کے ہاتھ میں ایک لفافہ تھا۔

''یہ آپ کے نام ایک ٹیلی گرام آیا تھا، آپ کی غیر موجودگی میں میں نے وصول کر لیا اور محض اس لیے کہ اسے کھول کر دیکھا گیا کہ کہیں اس میں کوئی ایسی خاص بات نہ ہو، جس کی خبر کرنے کیلیے آپ کو اسی وقت تلاش کرنا پڑے۔ میں اس کیلیے معذرت خواہ ہوں۔'' منیجر نے ادب سے کہا۔

''اوہ، کوئی بات نہیں، لیکن آئندہ خیال رکھیے گا، یہ اچھی بات نہیں۔'' نووارد نے سر ہلا کر کہا۔ اور پھر لفافے سے سرخ رنگ کا کاغذ نکال کر دیکھنے لگا۔ تار کے مضمون میں صرف اتنا لکھا تھا۔

'آپ کا سامان روانہ کر دیا گیا ہے۔ اپ ٹرین سے کل صبح پہنچ جائیگا'

نیچے بھیجنے والے کا نام، چورن سنگھ، لکھا تھا۔

وہ اسے پڑھ کر ہنس دیا۔ میرا کچھ سامان چلتے وقت چھوٹ گیا تھا، وہی آ رہا ہے، اسکی اطلاع تھی یہ۔'' نووارد نے منیجر سے کہا۔

''اگر آپ حکم دیں تو ہوٹل کے ملازم بھی یہ خدمت انجام دے سکتے ہیں۔ ہمارے یہاں مہمانوں کو ہر قسم کی سہولتیں دی جاتی ہیں۔'' منیجر نے پیشکش کی۔

Akram Allahabadi

''شکریہ، شکریہ، لیکن میں اتنا کاہل نہیں ہوں، اپنے کام اپنے ہاتھوں کرنے سے مجھے خوشی ہوتی ہے۔''نووارد نے بڑی شستگی سے انکار کردیا۔

''آپ شاید ڈاکٹر گلبرٹ کے شفاخانے گئے تھے، کیا کوئی دوا دی گئی آپ کو؟''منیجر نے پوچھا۔

''تعجب ہے، یعنی آپ کو کیسے علم ہوا اسکا؟''نووارد نے اظہارِ حیرت کیا۔''یہاں مہمانوں کے پیچھے جاسوسی بھی کی جاتی ہے؟''

''اوہ، قطعی نہیں، جناب۔آپ غلط سمجھے۔آپ نے شاید وہاں کسی کو اس ہوٹل کا ایڈریس دیا تھا، ابھی کچھ دیر پہلے ایک فون آیا تھا، میں نے تصدیق کردی کہ آپ یہیں قیام فرما ہیں۔''منیجر نے جلدی سے صفائی پیش کی۔

''میں کچھ اور سمجھا تھا، معاف کیجیے گا۔''نووارد نے معذرت کرنے کے انداز میں کہا۔

''میں نے تو صرف اس لیے پوچھا تھا کہ کسی دوا کی ضرورت ہو تو منگوادی جائے۔''

''مگر یہاں تو دوا لینے گئے تھے، مرض لے کر لوٹے ہیں۔''

''میں سمجھا نہیں، جناب؟''منیجر نے کہا۔

''آپ کسی سے کہیں تو نہیں؟''نووارد نے ادھر ادھر دیکھ کر بولا۔

''بھلا یہ کیسے ممکن ہے، میں شریف آدمی ہوں۔''منیجر نے یقین دلایا۔

''تو کان ادھر لایئے۔''نووارد نے یہ کہتے ہوئے خود ہی منیجر کی طرف جھک کر اس کے کان سے منہ لگا کر بولا۔''مجھے ڈاکٹر زیتل کی لڑکی سے عشق ہوگیا ہے۔''

''ارے نہیں، آپ مذاق تو نہیں فرما رہے ہیں؟''منیجر واقعی حیرت زدہ ہوگیا۔

''کمال ہے، بھلا میرا آپ سے مذاق کا کونسا رشتہ ہے؟''نووارد نے بے ساختگی میں کہا۔اور اس جواب پر منیجر کچھ جھینپ سا گیا۔

Akram Allahabadi

''میرا مطلب تھا کہ اگر یہ حقیقت ہے تو آپ بڑے بدنصیب آدمی ہیں۔''

''کیوں؟''

''وہ محترمہ اسی طرح ہر ایک پر مہربان ہو جاتی ہیں اور پھر کچھ دن انگلیوں پر نچا کر بیچارے کو کسی پاگل خانے کا راستہ دکھا دیتی ہیں۔''

''کیا اس شہر میں پاگل خانے بھی ہیں؟ میں تو سمجھتا تھا کہ شہر ہی ایک پاگل خانہ ہے۔''نو وارد نے سنجیدگی سے کہا۔

''ہو سکتا ہے کہ سارا شہر آپ کو ہی پاگل سمجھ لے۔''منیجر نے کہا۔

''یہ بھی ٹھیک ہے۔شاید میرے ہی دماغ پر کوئی اثر ہوا ہوا۔'' یہ کہتے ہوئے نو وارد کچھ فکر مند سا نظر آنے لگا۔اس کے چہرے پر سنجیدگی کی جگہ حماقت جھلکنے لگی۔

''جناب، آپ اگر سیاح نہ ہوتے تو شہریوں کی کمیٹی آپ پر ازالۂ عرفی کا دعویٰ کر دیتی۔''منیجر کا لہجہ اب بھی تنبیہی تھا۔

''آپ ان محترمہ کا ذکر کر رہے تھے؟''نو وارد نے بات پلٹنے کی کی۔

''جی ہاں، میں عرض کر رہا تھا کہ اس شمع کے اور بھی بہت پروانے ہیں اس شہر میں، لیکن صاحب، قیامت ہیں وہ بھی۔ایک پل میں شعلہ ایک پل میں شبنم۔''منیجر نے سرد آہ کھینچ کر کہا۔

''اوہ،تو آپ بھی میرے بھائی معلوم ہوتے ہیں؟''نو وارد مسکرایا۔

''میں آپ کا رقیب بھی ہو سکتا تھا،اگر مجھے یہ معلوم نہ ہوتا کہ اس کی تفریحات ان کی عادت میں داخل ہیں۔''منیجر نے کہا۔

''کیا ڈاکٹر زینل بھی ایسے معاملات میں دلچسپی لیتے ہیں؟''

''وہ بڑے زندہ دل اور ترقی پسند قسم کے آدمی ہیں۔وہ تو کہتے ہیں کہ میری بیٹی اگر کسی گوریلے کی پسند کر لے تو میں اس کی مرضی میں کوئی دخل نہیں دے سکتا، یہ اس کا ذاتی معاملہ

Akram Allahabadi

ہے۔''منیجر نے بتایا۔

''تو آیئے ہم اور آپ گلے مل کر روئیں۔''نووارد نے منہ بسور کر کہا۔

''یعنی وہ کیوں؟''منیجر اسے حیران نظروں سے دیکھتا ہوا پیچھے ہٹ گیا۔

''آپ نے وہ شعر نہیں سنا، یعنی خوب ہوگا کہ جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو۔''

''جناب، دو پر اکتفا مت کیجیے، ایسے دیوانے تو اتنے ملیں گے کہ ان کی ایک باقاعدہ ایسوسی ایشن بن سکتی ہے۔''منیجر نے کہا۔

''اچھا اب اس وقت براہِ کرم مجھے تخلیہ عطا فرمایئے، میں تنہائی میں جی بھر کے ٹھنڈی آہیں بھرنا چاہتا ہوں۔''نووارد نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔منیجر اب اسے بور کر رہا تھا۔

''شوق سے، شوق سے۔''منیجر نے فدویانہ انداز میں کہا اور پھر واپس چلا گیا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

تعاقب کا تعاقب

صبح ساڑھے سات بجے یہاں ایک ہی اپ ٹرین آتی تھی۔ ویسے دن میں وقفے سے کئی ٹرینیں آیا اور جایا کرتی تھیں۔ جنکشن ہونے کی وجہ سے اسٹیشن خاصا آباد اور پر رونق رہتا۔ وہ وقت سے کچھ پہلے ہی اسٹیشن پہنچ گیا تھا۔ اسٹیشن پر یوں تو ریلوے اسٹاف کے علاوہ اور بھی بہت سے لوگ تھے، لیکن پتلون کے پائنچوں پر موزے چڑھائے ہوئے ایک بینچ پر بیٹھا ایک ادھیڑ عمر کا آدمی جو منہ میں سگار دبائے صبح کا اخبار پڑھ رہا تھا۔ اسے کچھ ایسی نظروں سے دیکھنے لگا، جیسے وہ اسی کا منتظر رہا ہو۔ نووارد جس طرف جاتا، اس کی نظریں اسی طرف گھوم جاتیں اور جب وہ پلٹ کر دیکھتا تو سگار کے دھوئیں میں وہ اپنے چہرے کو چھپا لیتا یا اخبار اونچا کر لیتا۔ ٹرین اپنے ٹھیک وقت پر آئی۔ اس میں سے بہت سے مسافر اترے، مرد عورتیں، بوڑھے بچے۔ نووارد کچھ دیر تک ایک جگہ کھڑا سیکنڈ کلاس کے ایک کمپارٹمنٹ سے اترنے والے چار آدمیوں کو دیکھتا رہا، پھر اس نے نظریں ترچھی کر کے دیکھا، وہ سگار والا آدمی اب اٹھ کر اس سے کچھ فاصلے پر پیچھے آ کھڑا ہوا تھا اور اس وقت انجان بن کر ریلوے کی بک اسٹال کی طرف دیکھ رہا تھا۔ نووارد کے قدم ٹرین کے بریک کی طرف اٹھنے لگے۔ گارڈ اتر کر باہر ہی ٹہل رہا تھا۔ وہ نووارد کو اپنی طرف آتے دیکھ کر متوجہ ہو گیا۔ نووارد سے حیرت زدہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

''فرمایئے؟'' اس نے خود ہی اسے اپنے قریب آتے دیکھ کر پوچھ لیا۔

''مجھے آپ کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ آپ اکیلے اتنی بڑی ٹرین کیسے کنٹرول کر لیتے ہیں، یعنی انجن، پٹریاں، سگنل، اسٹیشن، سب۔'' نووارد نے احمقانہ انداز میں کہا۔

بوڑھا گارڈ اسے اپنی تعریف سمجھ کر پھول گیا۔ وہ کوئی سیدھا سادا سکھ تھا۔ اس عمر میں بھی اس کے چہرے پر بھولا پن برستا تھا۔

Akram Allahabadi

''اوہو جی، پچیس برس سروس کی ہے میں نے، کوئی بھاڑ نہیں جھونکی۔''

''بھاڑ تو انجن کا فائر مین جھونکتا ہے شاید، آپ تو گارد ہیں۔ یعنی اتنے بہت سے مسافروں کی حفاظت کرنے والے۔ واقعی آپ کا دم غنیمت ہے۔'' نووارد نے بریک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

''بابو جی، سب واہ گرو کی دین ہے، میں کس لائق ہوں۔'' وہ بڑی انکساری سے بولا۔

''نہیں، سردار جی، آپ اگر نالائق ہوتے تو اتنے اہم عہدے پر تو ہرگز نہ ہوتے۔ آپ واقعی اس لائق ہیں۔'' نووارد نے گارڈ کی مزید تعریف کی اور بیچارے گارڈ کو شرم سی محسوس ہونے لگی۔ شاید اس کے پاس اس قصیدہ خوانی کے جواب میں موزوں الفاظ کی کمی پڑ گئی تھی۔

''کیا میں آپ کا بریک اندر سے دیکھ سکتا ہوں؟'' نووارد نے فرمائش کی۔

''اہو جی، شوق سے، یہ کونسی بڑی گل ہے۔''

یہ کہہ کر گارڈ خود اس کی رہنمائی کرنے لگا۔ نووارد نے اندر داخل ہو کر ایک سرسری نظر چاروں طرف ڈالی، پھر وہ ویکیوم فلیسک کو چھو کر دیکھنے لگا۔

''بس اسے کھینچ لینے سے گاڑی رک جاتی ہے۔'' گارڈ نے بتایا۔

''تو گویا یہی گاڑی کی دم ہے، جسے کھینچنے سے گاڑی آگے نہیں بڑھ سکتی۔'' نووارد بھولے پن سے بولا۔

''سمجھنے کیلیے ایسا بھی کہا جا سکتا ہے۔''

''اچھا سردار صاحب، بہت بہت شکریہ، میں نے زندگی میں کبھی کسی ٹرین کا بریک نہیں دیکھا تھا، سو آپ نے آج دکھا دیا۔'' نووارد لجاجت سے بولا۔

''ارے کوئی بات نہیں پاشاؤ۔'' گارڈ نے اس کی پیٹھ ٹھونکی۔

وہ باہر نکل آئے۔ نووارد نے دیکھا وہ سگاروالا اس وقت پلیٹ فارم پر پانی کے نل

کے قریب کھڑا اسی طرف دیکھ رہا تھا۔

''آپ کو کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی، گارڈ صاحب؟'' نووارد نے اخلاقاً پوچھا۔

''ارے نہیں، پاشاؤ، اس میں تکلیف کی کیا بات ہے۔'' گارڈ نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''اچھا اجازت دیجیے۔'' نووارد نے اس سے ہاتھ ملایا۔ ''ست سری اکال۔''

''ست سری اکال۔'' گارڈ نے جواب دیا اور پھر ہاتھ کی گھڑی دیکھنے لگا۔

نووارد اب بظاہر کسی طرف توجہ کیے بغیر پلیٹ فارم سے باہر جانے والے دروازے کی طرف چل دیا۔ اس نے دیکھا وہ سگار والا پلٹ کر اسے دیکھ رہا تھا، لیکن نووارد دروازے سے نکلتے ہی بجلی کی سی تیزی سے بائیں سمت گھوما اور R.M.S. کے دفتر میں داخل ہو گیا۔ یہاں کھڑکی سے وہ باہر کا نظارہ اچھی طرح کر سکتا تھا۔ آر۔ ایم۔ ایس۔ کا کلرک اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا، لیکن اس نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ وہ تو کھڑکی کی جالی سے اس آدمی کو دیکھ رہا تھا، جو تیز تیز قدم اٹھاتا جا رہا تھا۔ وہ چاروں طرف دیکھتا جاتا تھا۔ جیسے اسے کسی کی تلاش ہو۔ اس کے گزر جانے کے بعد نووارد کی نظر ان چاروں آدمیوں پر پڑی، جو پلیٹ فارم سیکنڈ کلاس کے ڈبے سے اترے تھے۔ اس نے انھیں باہر نکل کر ایک بڑی ٹیکسی میں بیٹھتے دیکھا۔ وہ خود بھی باہر نکل آیا۔ اور کلرک حیرت سے اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔ نووارد کی توجہ اس وقت اس سگار والے آدمی پر تھی۔ وہ اب سڑک پر پہنچ چکا تھا۔ اس نے دور سے اسے ایک سیاہ رنگ کی چھوٹی سی آسٹن میں بیٹھتے دیکھا، جسے وہ خود ہی ڈرائیو کرنے جا رہا تھا، کیونکہ اور کوئی کار میں موجود نہ تھا۔ نووارد نے ایک قریب سے گزرتی ہوئی ٹیکسی پکڑ لی۔

''اس کالی آسٹن کے پیچھے چلو۔'' اس نے ٹیکسی ڈرائیور کو اشارہ کیا۔

''صاحب، برا مت ماننا، مگر لونڈیوں کا پیچھا کرنا کوئی اچھی بات نہیں ہے۔'' ڈرائیور ٹیکسی اسٹارٹ کرتے ہوئے بولا۔

Akram Allahabadi

''گھبراؤ نہیں، اس میں دو بڑی بڑی مونچھوں والے ابا جان بیٹھے ہوئے ہیں۔''
اس نے اسے اسی کے انداز میں جواب دیا۔ وہ مسکرایا اور ٹیکسی ڈرائیو کرنے لگا۔

وہ آسٹن مختلف سڑکوں سے گزرتی ہوئی ایک اسٹور کے سامنے رک گئی۔ وہ آدمی اتر کر اندر چلا گیا۔ نووارد نے بھی ٹیکسی فاصلے سے رکوائی اور خود اس کے فٹ پاتھ پر پہنچ کر اسٹور کے اندر جھانکنے لگا۔ وہ آدمی کسی کو فون کر رہا تھا، جس کے بعد وہ باہر نکل آیا اور اپنی کار میں بیٹھ گیا۔ اس کی کار اسٹارٹ ہونے کے بعد نووارد بھی اپنی ٹیکسی میں بیٹھ گیا۔ ان کی گاڑیاں اسی طرح آگے پیچھے چلتی رہیں، لیکن شاید ٹیکسی ڈرائیور بھی معاملے کی نوعیت کو کسی حد تک سمجھ گیا تھا، کیونکہ وہ ڈاج دے دے کر ٹیکسی چلا رہا تھا۔ کبھی کسی گاڑی کے پیچھے کر لیتا، کبھی آہستہ کر لیتا۔

اب کی بار وہ کار جس کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی، اس کے پھاٹک پر ہی بڑے بڑے حروف میں لکھا تھا، ''طاملوٹ شاہی ہوٹل''۔

''بس، اب پلٹ چلو۔'' نووارد نے اس کار کو اس احاطے میں پارک ہوتے دیکھ کر باہر سے ہی ٹیکسی ڈرائیور کو ہدایت کی۔

''اچھا صاحب، فرض کر لیجیے کہ میں الو کا پٹھا ہوں، لیکن کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ آپ مجھ سے کیا کام لے رہے تھے؟'' ٹیکسی ڈرائیور ذرا غصہ کرتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''ابھی نہیں، کچھ دیر بعد۔'' نووارد نے مسکرا کر مختصر سا جواب دیا۔ نووارد نے ٹیکسی دوبارہ پھر اسی اسٹورز کے قریب رکوائی اور خود گاڑی سے اتر کر اسٹور میں داخل ہو گیا۔ یہاں اس وقت سوائے دو ملازموں کے کوئی اور نہ تھا۔ ان میں سے ایک تو کچھ سامان جما رہا تھا اور دوسرا کاؤنٹر پر ہی تھا۔

''ابھی ابھی، کچھ دیر پہلے یہاں بڑی بڑی مونچھوں والے ایک صاحب آئے تھے؟'' نووارد نے اس سے پوچھا۔

''جی ہاں، آئے تھے، لیکن پہلے آپ ابھی ابھی اور کچھ دیر پہلے پہلے کے فرق کو

درست کیجیے۔'' کاؤنٹر والے نے اپنی عینک کے شیشوں سے اسے گھورتے ہوئے جواب دیا۔

''آپ کچھ منشی فاضل قسم کے معلوم ہوتے ہیں۔'' نووارد مسکرایا۔

''قبلہ منشی تو میں ہرگز ہو ہی نہیں سکتا، اور فاضل ہوتا تو اس دنیا میں پیدا ہی نہ ہوا ہوتا۔'' کاؤنٹر والا بڑی سادگی سے بولا۔ جیسے وہ ہر ایک سے اس قسم کی گفتگو کرنے کا عادی ہو۔

''ویسے فرمایئے، میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟''

''میں ان صاحب کے متعلق دریافت کر رہا تھا، شاید آپ ان سے واقف بھی ہوں؟''

''میں نے عرض کیا نا کہ آئے تھے، آدمی کم اور سگار زیادہ تھے۔ آدھی بات کرتے تھے اور سگار سونگھتے تھے۔ ویسے میں ان کے فرشتوں سے بھی واقف نہیں ہوں۔''

''اگر میں آپ کو کچھ پیش کروں تو کیا آپ میری مدد کریں گے؟'' یہ کہتے ہوئے نووارد نے سگریٹ کا پیکٹ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

''خوب، پیشکش اور ایک سگریٹ کی، مگر محبت سے پیش کی جائے تو یہ بھی بہت ہے۔'' یہ کہہ کر وہ ایک سگریٹ نکال کر جلانے لگا۔

''وہ یہاں فون کرنے آئے تھے؟'' نووارد نے پوچھا۔

''جی ہاں۔''

''کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ انھوں نے کون سے نمبر ڈائل کیے تھے؟''

''یہ قطعی غیر اخلاقی حرکت ہوگی، اگر میں کسی کے نمبر دیکھتا پھروں، لیکن آپ یہ کیوں پوچھ رہے ہیں؟'' کاؤنٹر والا اسے غور سے دیکھتے ہوئے بولا۔

''میرے لیے یہ جاننا بہت ضروری ہے کہ وہ کسے فون کر رہے تھے اور کیا کہہ رہے تھے۔'' نووارد نے سنجیدگی سے کہا۔

''لیکن...؟'' کاؤنٹر والے نے کہنا چاہا۔

Akram Allahabadi

''آپ کی خدمت میں...'' یہ کہہ کر نووارد نے دس دس روپے کے دو نوٹ اس کے سامنے رکھ دیے۔

''جناب، اس کی ضرورت تو نہیں، لیکن آپ کے پاس زیادہ ہیں تو خیر میرے کام آجائیں گے۔'' یہ کہہ کر اس نے وہ نوٹ اٹھا کر اپنی جیب میں رکھ لیے۔

''اب فرمایے؟'' وہ اطمینان سے بولا۔

''میرا وہی سوال۔''

''مجھے اتنا دھیان ہے کہ وہ کس قسم کے الفاظ فون پر استعمال کر رہے تھے، اس سے زیادہ تو اگر میں کچھ بولا تو وہ جھوٹ ہوگا۔'' وہ بولا۔

''وہی بتا دیجیے۔'' نووارد نے کہا اور کاؤنٹر والا چھت کو گھورتے ہوئے کچھ یاد کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

''اوہ...، ہاں، پہلے تو انھوں نے فرمایا، ہلو، پھر کچھ سہمے ہوئے سے نظر آنے لگے۔ پھر... پھر بولے، 'میں نے بڑے غور سے اس کی ہر حرکت کا جائزہ لیا ہے، وہ صرف بریک میں گیا تھا، شاید اپنا سامان ہی ڈھونڈھنے۔ میں نے اسے خود گارڈ سے پوچھتے دیکھا ہے، مگر شاید اس ٹرین سے اس کا سامان نہیں آیا۔ کیونکہ گارڈ نفی میں سر ہلا رہا تھا۔ جی نہیں، اس نے اور کسی طرف توجہ نہیں کی... اور شاید... جی ہاں، شاید انھوں نے یہ بھی کہا تھا کہ وہ اسٹیشن سے باہر نکلتے نظر نہیں آیا۔''

''پھر کیا ہوا؟''

''پھر شاید انوھس نے کوئی خوفناک ڈانٹ سنی ہوگی، کیونکہ چونک کر پیچھے ہٹ گئے تھے اور گھگھیا کر سر ہلانے لگے تھے۔''

''شکریہ، میرے لیے اس قدر بھی کافی ہے۔'' نووارد نے اطمینان سے کہا۔

''جناب، یہ باتیں بھی مجھے اس لیے یاد رہ گئیں کہ مجھے کچھ عجیب سی معلوم ہوئی تھی،

Akram Allahabadi

جیسے کچھ پراسرار ہوں، ورنہ ٹیلیفون کرنے والے تو دن رات ہی یہاں آتے ہیں، کون کس پار توجہ کرتا ہے۔'' کاؤنٹر والے نے جواب دیا۔

''اب اگر کوئی آپ سے پوچھے کہ میں آپ سے کیا پوچھنے آیا تھا، تو آپ کیا بتائینگے؟'' نووارد نے اس سے عجیب سا سوال کیا۔

''ویسے تو میں کہہ سکتا ہوں کہ آپ یہاں ڈونگرے کا بال امرت لینے آئے تھے، لیکن اگر اس نے میری ہتھیلی پر چالیس، یعنی چار نوٹ رکھ دیے تو...'' یہ کہتے کہتے وہ سوچ میں پڑ گیا۔ پھر خود ہی سر کو جھٹک کر بولا۔ ''نہیں نہیں، شرافت کا سودا نہیں ہوا کرتا، میں اس کے منہ پر مار دونگا۔''

''دوبارہ شکریہ۔'' نووارد مسکرایا اور ہاتھ ہلاتا ہوا باہر نکل گیا۔

''کیا بات تھی، امرناتھ؟'' اسٹور کا دوسرا ملازم اس کے پاس آکر پوچھنے لگا۔

''کچھ نہیں، ان صاحب کے پیٹ میں کچھ تکلیف تھی، ڈونگر کا بال امرت لے گیا ہے۔''

''مگر بیس روپے میں؟''

''ابے گدھے، ۱۸ روپے ۸ آنے تو ان پر میرے پچھلے سال کے ادھار تھے۔'' اس نے ساتھی کو ڈانٹ دیا۔

''اچھا تو آٹھ روپے مجھے ادھار دیدو، ورنہ میں سب پول کھول دونگا۔'' ساتھی بے حیائی سے ہنستے ہوئے بولا۔

''کمبخت، یہ زبردستی کی پارٹنرشپ۔'' یہ کہہ کر اس نے جیب سے پانچ کا ایک نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

''چلو بھاگتے چور کی لنگوٹی ہی سہی۔'' یہ کہہ کر ساتھی نے وہ نوٹ جیب میں رکھ لیا۔

''ڈیئر، ہم جیسے کلرکوں کو اپنی لنگوٹی ہی بڑی عزیز ہوتی ہے، اگر کوئی یہ بھی نہ دے تو

ہم مادرزاد ننگے رہ جائیں گے۔'' کاؤنٹر والا طنزیہ لہجے میں بولا اور ساتھی مسکراتا رہا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

پاگلوں کا شہر

نصف گھنٹے کے بعد وہ ہوٹل ۱۹۸۰ء میں اپنے کمرے میں بیٹھا کچھ سوچ رہا تھا۔میز پر ایک سادہ کاغذ رکھا تھا اور اس کے ہاتھ میں ایک پنسل تھی۔ٹرے سامنے رکھی تھی، جو اس کے آرڈر پر پیرا ابھی ابھی رکھ گیا تھا۔

پنسل کاغذ پر اور بے خیالی میں ایک مربع بنا دیا۔پھر اس مربع کے چاروں کونوں پر اس نے چار نام لکھے۔

منیجر	تعاقب کرنے والا
کیٹی	ڈاکٹر زیٹل

پھر ان چاروں زاویوں پر غور کرنے لگا اور چائے کی پیالی اٹھا کر ہونٹوں سے لگا لی۔

اس نے دوبارہ کاغذ پر لکھا۔ٹیلی گرام.....جسے منیجر نے کھول کر دیکھا۔

ریلوے اسٹیشن.....اجنبی کو کیسے خبر ہوئی۔

نامعلوم شخص.....؟

منیجر

تعاقب کرنے والا ؟ نامعلوم ہاس؟

اسے یہ دوسرا پہلو زیادہ موزوں معلوم ہوا۔منیجر نے اس کا تار کھولا تھا، جس سے اپ ٹرین سے اس کا سامان آنے کی اطلاع کسی کو ملی ہوگی اور اس نے اپنا ایک آدمی مقرر کیا جو یہ دیکھے کہ اصل معاملہ کیا ہے۔مگر کیوں؟ کوئی کیوں اس کے بارے میں جاننا چاہتا ہے؟ اور اس

خیال کے ساتھ اس کی نظریں پھر اس مربع پر چلی گئیں۔ وہ بڑبڑایا۔ اس لیے کہ ڈاکٹر زیٹل سے وہ براہِ راست ملا اور اس سے عجیب سی باتیں کیں، لیکن پھر ایک سوال اس کے ذہن میں اٹھ کھڑا ہوا۔ ڈاکٹر زیٹل نے کیوں اتنی دلچسپی لی؟ کیا وہ کسی چیز سے خوفزدہ ہے، یا محض ایک تفریح سمجھ کر؟ مگر دوسرا نقطۂ نظر اس لیے ٹھوس نہ معلوم ہوا کہ اسٹیشن پر اس کی نگرانی کی گئی تھی، پھر وہ کچھ دیر تک گہری سوچ میں کھویا رہا۔ آخر اس نے صرف دو ناموں پر دائرے بنائے۔ یہ منیجر اور تعاقب کرنے والے تھے اور فیصلہ کن انداز میں سر ہلا کر اس نے اس کاغذ کو لائٹر کی لو پر جلا دیا۔ اب وہ صوفے پر نیم دراز ہو کر چائے پی رہا تھا۔ پھر تکان کی وجہ سے اس کی آنکھیں بند ہونے لگیں اور وہ بیٹھے بیٹھے ہی سو گیا۔

اس کی آواز گھنٹی کی آواز سن کر کھلی۔ کوئی دروازے کی گھنٹی بجا رہا تھا۔ وہ آنکھیں ملتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ دروازہ کھول کر اس نے دیکھا ہوٹل کا ایک بیرا باہر کھڑا تھا۔

''صاحب، آپ کا فون آیا ہے، کوئی ضروری کال معلوم ہوتا ہے۔ ان سے کہہ دیا گیا تھا کہ آپ آرام فرما رہے ہیں، لیکن وہ ضد کر رہے ہیں کہ اٹھا دیا جائے۔''

''اچھا، میں آتا ہوں۔'' نووارد مہمان نے یہ کہہ کر دروازہ بھیڑ لیا۔ پھر غسل خانے سے منہ دھو کر اس نے کپڑوں کو ٹھیک کیا اور باہر نکل آیا۔

نیچے کاؤنٹر پر فون کا رسیور کریڈل سے علیحدہ رکھا تھا اور کاؤنٹر کلرک اپنے کام میں مصروف تھا۔

''آپ کا فون ہے۔'' وہ یہ کہہ کر اپنے کام میں لگ گیا۔

نووارد نے رسیور کان سے لگا لیا۔

''ہلو۔''

''ہل تو رہا ہوں، فرمایئے؟''

''ہم لوگ آ گئے ہیں۔''

''کونسا احسان کیا ہے آپ نے؟''

''کیا مسخرا پن ہے، ایک تو لینے نہیں آئے، اوپر سے یہ نخرے۔''

''نارتو مل گیا تھا مجھے، مگر مال کا ابھی تک پتا نہیں، آپ لوگ گھاس کاٹتے ہیں، یا بزنس کرتے ہیں؟'' نووارد نے کہا، جس پر کلرک کے کان کھڑے ہو گئے۔ وہ بول پڑا۔

''معاف کیجیے گا جناب، گھاس کاٹنا اس ہفتے کا سب سے بڑا بزنس ہے۔''

''آپ براہِ کرم اپنی چونچ ادھر ہی رکھیے۔'' نووارد نے اسے ڈانٹ دیا۔

''کیا بک رہے ہو تم؟'' فون کرنے والے نے جھنجلا کر کہا۔

''اوہ، آپ سے نہیں۔ ہاں تو خیر میں معلوم کروں گا۔ ہاں ہاں...''

یہ کہہ کر اس نے رسیور رکھ دیا اور فون کا سلسلہ منقطع کر دیا اور کلرک پر ایک نظر ڈالتا ہوا واپس لوٹ گیا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

نیا سلام

وہ ہاتھ میں ایک نازک سی چھڑی لے کر چہل قدمی کیلیے نکل کھڑا ہوا۔شام کی چائے پی چکا تھا اور آج چائے کے ساتھ تھوڑا سا چینی گھاس کا حلوہ بھی کھایا تھا جو واقعی بڑا لذیذ تھا،کھیر سے بھی زیادہ لذیز۔اس نے ہوٹل سے کافی دور نکل آ کر ٹھہرتے ہوئے جائزہ لیا کہ کوئی اس کا پیچھا تو نہیں کر رہا ہے۔اسے ایسا کوئی آدمی نظر نہیں آیا۔پھر اس کی نظریں سڑک پر کوئی خالی ٹیکسی تلاش کرنے لگیں،مگر دور دور تک کوئی ٹیکسی نظر نہیں آئی۔اس لیے اسے اور آگے پیدل ہی چلنا پڑا۔راستہ ویران بھی نہیں تھا،پرائیوٹ کاریں،ٹرک،آدمی اور گاڑیاں سب ہی چل رہی تھیں، لیکن ایک عجیب منظر نے اس کی توجہ اپنی طرف منعطف کر لی۔کچھ ایسا ہی واقعہ تھا جس کی نوعیت جان کر کوئی بھی صحیح الدماغ آدمی یا تو سارے شہر کو پاگل سمجھ بیٹھتا،یا خود کو خلل دماغ کا مریض۔اس نے تو بہر حال جو کچھ کیا تھا،انسانی ہمدردی کی خاطر کیا تھا۔ہوا یہ تھا کہ مقابل سمت سے ایک بوڑھا سا آدمی ٹہلتا چلا آ رہا تھا،نووارد نے اپنے نزدیک سے ایک دوسرے ادھیڑ عمر آدمی کو گزرتے دیکھا۔وہ مقابل سمت میں جا رہا تھا۔اسے دیکھتے ہی بوڑھا دور سے ہی مسکرا دیا اور وہ بھی مسکراتا ہوا اس کے قریب پہنچ گیا،لیکن پھر ایک تڑاق کی آواز نے نووارد کو چونکا دیا۔اس ادھیڑ عمر آدمی نے قریب پہنچ کر اس بوڑھے کے داہنے گال پر اس زور سے تھپڑ مارا تھا کہ اس کی آواز نووارد کے کانوں تک پہنچی۔وہ یہ منظر برداشت نہ کر سکا اور ان کے درمیان آ گیا۔

''شرم نہیں آتی آپ کو ایک اپنے سے بزرگ کو اس طرح طمانچہ مارتے؟'' وہ بگڑ کر بولا۔

''نئے معلوم ہوتے ہو،میاں صاحبزادے، پہلے اس شہر اور اس کے ماحول سے

واقفیت پیدا کرنے کی کوشش کرو۔''اس ادھیڑ عمر آدمی نے کہا۔جس پر وہ بوڑھا بھی سر ہلانے لگا۔

''لیکن ابھی ابھی تو آپ نے ان کے منہ پر طمانچہ مارا تھا؟''

''یہ کب سے غلط فہمی ہوئی آپ کو؟''وہ ہنس کو بولا۔

''میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔''

''وہ تو میں نے سلام کیا تھا انھیں۔''

''سلام...؟''نو وارد کی حیرت اور بڑھ گئی۔

''قطعی۔ہمارے رواج کے مطابق اس قسم کا سلام زیادہ دنوں تک یاد رہتا ہے۔''اس نے بتایا۔

''مجھے بھی آپ لوگ مدت تک یاد رہیں گے۔''نو وارد یہ کہہ کر آگے بڑھ گیا اور وہ اسے رحم آمیز نظروں سے دیکھتے رہے۔وہ اسے پاگل سمجھ رہے تھے اور نو وارد دل ہی دل میں انھیں قابلِ رحم قرار دیتا ہوا چلا جا رہا تھا۔اسے اب اس شہر سے جلد از جلد بھاگ جانے کی فکر لاحق ہو گئی۔ٹیکسی تھوڑی دور جا کے اسے مل گئی۔

''ہوٹل مون کریٹر۔''اس نے کہا۔ٹیکسی والے کیلیے یہ کوئی نیا نام نہ تھا۔اس نے صرف اثبات میں سر ہلایا اور گاڑی کی رفتار تیز کر دی۔

ہوٹل مون کریٹر اگر بلندی سے دیکھا جاتا تو واقعی مون کریٹر نظر آتا۔اسے وائرے کی شکل میں چاروں طرف سے ایک موٹی چار دیوار نے گھیر رکھا تھا۔اندر ایک بڑے گنبد یا کسی ایٹمی ری ایکٹری طرح اس کی گول عمارت تھی، جس کے چاروں طرف باغ لگایا گیا تھا۔ کیاریوں کے درمیان چوڑی چوڑی روشیں تھیں، جو ہوٹل کے سامنے کے حصے اور عقبی حصے پر جا کر ختم ہوتی تھیں۔وہ کیونکہ ٹیکسی سے بلا ساز و سامان اترا، اس لیے ہوٹل کے اسٹاف نے اسے مقامی آدمی سمجھ کر کوئی خاص توجہ نہ دی۔وہ ٹیکسی کو رخصت کر کے اندر داخل ہو گیا۔کسی

پارلیمنٹ کے ایوان کی طرح، یا کسی اپیرا کے اندرونی حصے کی طرح اندر چاروں طرف سہ منزلہ گیلریاں بنی ہوئی تھیں، جن میں رہائشی کمروں کے دروازے تھے اور درمیان میں ہوٹل کا بڑا ہال تھا۔ تینوں منزلوں کی چھت ایک ہی تھی، جو ہال سے اتنی بلند نظر آتی تھی کہ اس میں لٹکے ہوئے فانوس ننھے ننھے نظر آتے۔ اسے یہ ہوٹل اپنی بناوٹ اور صفائی کے اعتبار سے بہت پسند آیا اور اگر یہ منتظمین کی سنک نہیں تو جدت ضرور تھی کہ اس کا تمام اسٹاف خلائی مسافروں جیسے سوٹ پہنے ہوئے تھا۔ یہ ایک ایسی ناولٹی تھی جو خواہ مخواہ لوگوں میں دلچسپی پیدا کر دیتی اور یہاں آنے والے بھی اسی رنگ میں رنگ کر خاصا خوشگوار وقت گزارتے تھے۔

اندر ہال میں تمام میزیں ستاروں کی شکل کی پنج پہل اور کرسیاں گول تھیں۔ ہر میز پر پانچ نشستیں تھیں۔ کاؤنٹر کو قوس قزح کی شکل کا بنایا گیا تھا اور کاؤنٹر کلرک نے بھی اپنا حلیہ ایسا ہی بنا رکھا تھا۔ نووارد کاؤنٹر پر پہنچ کر رک گیا۔

''مسٹر نعمانی، پلیز۔''

''مسٹر نعمانی؟'' کاؤنٹر کلرک نے تکرار کی۔ ''کونسی دنیا کے رہنے والے ہیں؟'' اس نے سنجیدگی سے کہا۔

''غالباً باہری دنیا کے۔'' نووارد مسکرایا۔ اب وہ بہت کچھ ان سرپھروں سے گفتگو کا عادی ہو چکا تھا۔

''اوہ، آپ کی مراد نئے سفر بازوں سے تو نہیں؟''

''وہی ہوں گے۔''

''حجرہ نمبر ۱۳، دوسرا آسمان۔'' اس نے بتایا۔ ''کیا پیغام پہنچا دوں؟''

''مسٹر نامی شرف ملاقات چاہتے ہیں۔''

'ون منٹ۔'' یہ کہہ کر اس نے لوکل ٹیلی فون سسٹم کے ایکس چینج بورڈ پر جو اس کے قریب نصف دائرے کی شکل کے کاؤنٹر پر داہنی سمت لگا تھا، دوسری قطار کے نمبر ۱۳ کے سوئچ کو

آن کردیا اور رسیور اٹھالیا۔

''یس ہلو، میں کرہ ارض کا کاؤنٹر کلرک ہوں، کوئی نامی صاحب آپ کو ملنا چاہتے ہیں۔''اس نے فون پر کہا۔

''جی، مجھے نہیں معلوم کتنا چاہتے ہیں، ٹھہریے، میں دریافت کرتا ہوں۔'' یہ کہہ کر اس نے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھا اور نووارد سے پوچھنے لگا۔''آپ انھیں کتنا چاہتے ہیں؟''

''یہ ان سے مل کر ہی بتا سکوں گا۔''نووارد نے مشتعل ہوتے ہوئے کہا۔

کاؤنٹر کلرک نے وہی الفاظ فون پر دہرا دیے اور پھر رسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

''آپ تشریف لے جا سکتے ہیں۔دوسرا آسمان حجرہ نمبر ۱۳۔''وہ اپنے کام میں اس طرح مصروف ہوگیا جیسے ابھی ابھی اس نے کسی سے بات ہی نہ کی ہو۔نووارد نے ادھر ادھر دیکھا، سامنے دروازے میں اسے اوپر زینی نظر آیا جس کے پاس ہی لفٹ بھی تھی اور لفٹ پر لکھا ہوا تھا "Spaceshift" یہ نام اس کی سمجھ میں نہ آیا، بہر حال وہ اس میں داخل ہوگیا اور اس نے دوسرے منزلے کا بٹن دبا دیا۔دوسری منزل پر لفٹ سے باہر آ کر اس کا دروازہ بند کرنے کے بعد وہ کاریڈور میں گھوم گیا۔اسے دوسرے بھی کاریڈور سے گزرتے ملے، لیکن ہر کمرے کے دروازے پر نمبر موجود تھے۔وہ نمبر ۱۳ پر ٹھہر گیا اور گھنٹی کا بٹن دبا دیا۔چند سیکنڈ بعد ہی دروازہ کھلا جس آدمی نے باہر جھانکا، اسے پچھتانا پڑا، کیونکہ نووارد نے اس کی مونچھ پکڑ لی تھی۔

''لاحول ولاقوۃ۔یہ کیا حرکت ہے؟''وہ جھنجلا کر بڑبڑانے لگا، مگر نووارد اسے اندر کی طرف دھکیلتا ہوا خود بھی اندر داخل ہوگیا اور دروازہ اندر سے بند کرلیا۔اندر چار آدمی اور موجود تھے۔ایک ۳۸۔۴۰ سالہ پستہ قد، مگر تندرست اور ہنس مکھ آدمی، دوسرے جن میں ایک موٹے ڈیل کا ادھیڑ عمر آدمی تھا، ایک اکہرے بدن کا جوان آدمی اور ایک بوڑھا، جس کے سر اور داڑھی کے بال سفید ہو چکے تھے۔پانچواں وہی بڑی مونچھوں والا تندرست شخص تھا جس کی مونچھ اس نے کھینچی تھی۔

Akram Allahabadi

''تو آخر تم مل ہی گئے۔'' پستہ قد آدمی مسکراتا ہوا اس کی طرف بڑھا۔

''میں آپ کو گوں کو اسٹیشن پر ہی دیکھ چکا تھا، لیکن مصلحتاً میں نے وہاں ملنا مناسب نہ سمجھا۔ ایک آدمی وہاں میری نگرانی کر رہا تھا۔'' نووارد نے بتایا اور ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

''کیوں؟'' اس نے سوال کیا۔

''یہ یا تو احمقوں کی بستی ہے، یا سیانے پاگلوں کی۔ بہر حال پورا واقعہ بعد میں سناؤں گا، پہلے اپنے ساتھیوں سے میرا تعارف کرایئے۔ میرا مطلب ہے ان میں سے کم از کم دو کو تو میں جان ہی رہا ہوں، باقی دو۔''

''کیا مطلب؟ یعنی کونسے دو؟''

''دیکھیے، یعنی ایک آپ اور ایک آپ۔'' اس نے بوڑھے آدمی اور بڑی مونچھوں والے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

''اوہ ہاں، شاید تم انھیں نہ جانتے ہو گے۔ ویسے خان صاحب بہت اچھی طرح جانتے ہیں۔ یہ ڈاکٹر سرکنڈے ہیں، مشہور سائیکیاٹرک (Psyciatric)، یعنی ماہرِ نفسیات اور دماغی امراض کے بھی ماہر ہیں۔'' اس نے بوڑھے کا اس سے تعارف کرایا۔ بوڑھے نے بڑے عجیب انداز میں اپنے کندھے جھٹکے اور اسے گھورنے لگا۔

''جی، بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔ مجھے سارجنٹ بالے کہتے ہیں۔ غالباً ڈاکٹر سیّد آپ کو میرے بارے میں کچھ پہلے بھی بتا چکے ہونگے۔'' نووارد نے اپنے آپ کو متعارف کرتے ہوئے پستہ قد تندرست آدمی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

''ہاں، میں بتا چکا ہوں، اس لیے کسی تعارف کی ضرورت نہ تھی، مگر دوسرا کون ہے، جسے تم نہیں جانتے؟''

''میں اس بھینسے کو جانتا ہوں جو صوفے پر پڑا خراٹے لے رہا ہے اور اس جھینگا پہلوان پر کو بھی جانتا ہوں جو ادب سے پیچھے کھڑا ہے، لیکن میں اس شریف آدمی کو نہیں جانتا

جس نے دروازہ کھولا ہے۔اس کی مونچھیں دیکھ کر مجھے مرحوم سردار عبدالرب نشتر ضرور یاد آ گئے تھے۔'' بالے نے اس کی طرف اشارہ کر کے کہا۔بوڑھا ڈاکٹر مسکرا دیا اور مونچھوں والے کی تیوری پر بل پڑ گئے۔

''زمانہ ہی ایسا ہے، ڈاکٹر صاحب۔آج کل کے نامعقول نوجوان اپنے بزرگوں کو اکثر اپنا چپراسی ہی بتا دیا کرتے ہیں۔''مونچھوں والے نے کہا۔

''خدا جانے خاں صاحب نے کونسے زاویے سے ان کا انتخاب کیا ہے۔''وہ اس کی طرف دیکھے بغیر ڈاکٹر سے بولا۔

''زاویے تو بہت سے ہیں، لیکن مشکل یہ ہے کہ تم عہدے میں مجھ سے ذرا سینئیر ہو۔''مونچھوں والا برا سا منہ بنا کر بولا۔

''کیوں؟ تمہیں کیا خامی نظر آ رہی ہے اس انتخاب میں؟''ڈاکٹر سید نے مسکرا کر بالے سے پوچھا۔

''شاید ڈاکٹر سرکنڈے نفسیاتی نقطۂ نظر سے اس بات کی تصدیق کریں گے کہ بڑی مونچھوں والے ہمیشہ عقل سے پیدل ہوا کرتے ہیں۔''بالے بولا۔

''معاف کیجیے گا، مونچھیں تو میں بھی رکھتا ہوں۔''ڈاکٹر سرکنڈے نے خود ہی بیچ میں دخل دیا۔

''بھئی، یہ تمہید ملاقات تو بہت ہو چکی، اب کام کی بات بتاؤ، ہم کب سے تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔''ڈاکٹر سید نے ماحول کو سنجیدہ بناتے ہوئے کہا۔

''آپ فرمایئے کہ آپ لوگ یہاں کیوں تشریف لائے ہیں اور مجھے کیوں آپ سے ملنے کی ہدایت کی گئی ہے؟''بالے نے پوچھا۔

''میں اور ڈاکٹر تو صرف یہ تحقیق کرنے آئے ہیں کہ یہاں کے لوگوں کی اس دیوانگی کا سبب کیا ہے، جس کے افسانے دور دور تک سننے میں آ رہے ہیں۔آخر ایسا کیا سبب ہے جس

سے ان کے ذہنی توازن بگڑے ہوئے ہیں؟'' ڈاکٹر سید نے بتایا۔

''آپ کے خیال میں ایسا سباب کیا ہو سکتے ہیں؟''

''کسی مخصوص آب و ہوا کا اثر، کسی عام طور پر مستعمل ہونے والی ایسی دوا کے اثرات جو دماغ کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کو کمزور کر دیتی ہو، یا کوئی ایسا خارجی اثر جس نے اس پوری بستی کو پاگل بنا رکھا ہو۔ تمہیں معلوم ہے یہاں کی صوبائی حکومت ان حالات سے سخت پریشان ہے۔ عام طور پر یہ خیال کیا جا رہا ہے کہ یہ کوئی بیماری ہے، جو ہمہ گیر ہے اور دوسرے اضلاع اور علاقوں میں بھی پھیل سکتی ہے۔'' ڈاکٹر نے بتایا۔

''یعنی یہ سارا کام سرکاری سطح پر ہو رہا ہے؟''

''قطعی۔ میں اور ڈاکٹر سرکنڈے پر مشتمل یہ ایک تحقیقاتی کمیشن ہی ہے۔ اور دوسری طرف خان صاحب بھی ان معاملات میں گہری دلچسپی لے رہے ہیں، تمہیں انھوں نے یہاں اسی لیے بھیجا تھا تا کہ بنیادی تحقیق کیلیے تم سے ابتدائی رپورٹ مل سکے۔'' ڈاکٹر سید نے اسے بتایا۔

''اوہ، تو بھائی حرام مونچھ شاید اس کمیشن کی دم کی حیثیت رکھتے ہیں۔'' بالے کا اشارہ بڑی مونچھوں والے کی طرف تھا۔ ڈاکٹر سید ہنس پڑا۔ مگر ڈاکٹر سرکنڈے شاید سمجھا ہی نہیں، مگر رؤف اسے گھورنے لگا۔

''تم یہاں باز نہ آؤ گے۔'' وہ بولا۔

''ہے ہے...، مونچھیں تم جل گئیں، پر بل نہیں گیا۔''

''میرا خیال ہے ہم پھر مقصد سے بہک رہے ہیں۔''

''آپ کا خیال صحیح ہے، چلیے، راہِ راست پر آجائیں۔ ہاں تو فرمایے کہ مجھے آپ سے کیوں ملنا چاہیے تھا؟''

''یہاں کے ڈاکٹر گلبریٹ اور ڈاکٹر وان زیٹل نام کے دو ڈاکٹروں کے بارے

میں اطلاع ملی ہے کہ لوگ ان کے اشاروں پر ناچتے رہتے ہیں اور خان صاحب یہ بھی تصدیق کر چکے ہیں کہ یہ ڈاکٹر گلبرٹ انگریز نژاد جرمن ہے اور اپنے دور کا مان اہوا سائنسداں بھی ہے۔''

''اتنا تو میں بھی معلوم کر چکا ہوں۔'' بالے نے بات کاٹ دی۔

''تو میں سمجھ لوں کہ ہم یہ تحقیق کریں گے کہ آیا شہریوں پر یہ ذہنی بداعتدالی کا غلبہ کس قسم کے اثرات کے تحت ہے اور تمہارا کام تم ہی بہتر سمجھ سکتے ہو۔ اس سلسلے میں ہم ایک دوسرے کی مدد کرتے رہیں گے۔'' ڈاکٹر نے بتایا۔

''یہ بات تو میری سمجھ میں آ چکی ہے، لیکن یہ ایک پورے شہر کا معاملہ ہے، ایسا نہ ہو کہ ہمیں جوتے بھی چھوڑ کر بھاگنا پڑے۔ خان صاحب تو دور سے بیٹھے تیر مار رہے ہیں، حالانکہ یہاں لوگ 'صاحب سلامت' بھی تھپڑوں کے ذریعے فرماتے ہیں۔'' بالے نے بتایا۔

''انھیں اس کا احساس ہے اور اسی لیے یہ مشن خفیہ طور پر بھیجا گیا ہے، ورنہ علی الاعلان آتا اور اسی لیے شاید تم سے بھی بعض طریقوں پر رازداری برتی جا رہی ہے۔''

''مثلاً؟''

''مثلاً ہماری آمد اور اس کے مقصد کے متعلق ہی پہلے سے ہمیں کچھ معلوم نہ تھا۔''

''اور اگر بشمول بھائی حرام ... آئی ایم ساری، بشمول رفو بھائی، ہر چہ درکانِ نمک رفت، نمک شو کی مثال بن گئے تو؟''

''اگر یہ کوئی بیماری بھی نہیں ہے تو میں بہت جلد اس سے محفوظ رکھنے کا طریقہ ڈھونڈھ نکالوں گا۔ میرا خیال ہے کہ یہ اثرات نو واردوں پر اثر نہیں کرتے، انھیں یہاں کے اثرات کو قبول کرتے وقت لگتا ہے۔''

''یہ کیسے اندازہ لگایا آپ نے؟''

''تم کو دیکھ کر ہی۔ تم ہم سے کافی پہلے آئے ہو۔''

Akram Allahabadi

''خیر، مگر سردست مجھے کیوں تکلیف دی گئی ہے؟''

''تاکہ تم ہمارے متعلق آگاہ ہو جاؤ۔ ویسے رؤف بھائی اور ابراہیم ہماری حفاظت کیلیے ہی بھیجے گئے ہیں۔''

''اور خان صاحب وہاں بیٹھے کیا ہمارے حق میں دعائے مغفرت کر رہے ہیں؟''

''ان کے کام، وہ جانیں۔'' ڈاکٹر مسکرایا۔

''چلیے یہ بھی اچھا ہوا کہ ان مونچھ دار بزرگ کی ڈیوٹی آپ کے ہی ساتھ ہے، ورنہ ان کی پرواز سخن تک پہنچنے کیلیے مجھے ہیلی کاپٹر تلاش کرنا پڑتا۔'' بالے نے کہا۔

''گدھے کیا جانیں زعفران کی قدر۔'' رؤف نے جل کر کہا۔

''بے شک، بے شک، گدھے کیا جانیں۔'' بالے نے بڑے اطمینان سے دہرایا۔ اور دونوں ڈاکٹر منہ پھیر کر ہنسنے لگے۔

''ہاں، کیا جانیں۔'' رؤف نے جھنجلا کر دہرایا اور ابراہیم کی طرف منہ کر لیا۔ کسی پھوہڑ لڑکی کی طرح اس کی ہنسی 'کھی کھی' سے ٹھسکے میں بدل گئی۔

''او چلغوزے۔'' رؤف اس پر بگڑ پڑا۔ ''ٹینٹوا دبا دوں گا تو ساری ہنسی دھری رہ جائے گی۔''

''مم... میں کیا... یعنی کہ وہ تو بالے صاحب...'' ابرہیم نے بمشکل کہا اور پھر ہنسی جاری ہو گئی۔

کچھ دیر تک کسی نے بات نہ کی اور رؤف بھی خاموشی پر ہی بات ٹال گیا۔ وہ جانتا تھا کہ اگر بالے سے الجھا تو اس کی زبان تو ماننے والی نہیں۔ وہ اگر اس کی مونچھوں کی شان میں باقاعدہ قصیدہ خوانی شروع کر دے گا تو اچھی خاصی بزمِ قصائد جم جائے گی۔ بالے نے بھی بات نہ بڑھائی۔ وہ سنجیدہ ہو گیا۔

''اور ہاں، خان صاحب نے ایک خط دیا تھا تمہارے لیے، شاید میری جیب میں

ہی ہے۔ہاں، یہ لو۔'' ڈاکٹر سید نے جیب سے ایک بند لفافہ نکال کر اسے دیا۔بالے نے اسے وہیں کھول ڈالا اور اندر سے خط نکال کر پڑھا تو اس پر بڑی مختصر سی عبارت تھی۔

''تم بھی پاگل ہو جاؤ۔احتیاط ضروری ہے۔میں جلد ملوں گا۔تحقیق میں ڈاکٹر سید کی مدد کرو۔رپورٹ جلد از جلد چاہیے۔''

''میں آپ کی کیا مدد کر سکتا ہوں؟'' بالے نے خط جیب میں رکھ کر ڈاکٹر سید سے پوچھا۔

''یہ میں حالات کا جائزہ لینے کے بعد بتا سکوں گا،شاید کل۔'' ڈاکٹر نے کہا۔

''تو میں چلتا ہوں۔'' وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

''چائے وغیرہ؟'' ڈاکٹر نے کہا۔

''میرا حصہ رفو بھائی پی لیں گے۔'' وہ رؤف کو منانے والے انداز میں مسکراتا ہوا اس کے قریب آ گیا۔رؤف کا منہ لٹکا ہوا تھا۔

''مجھ سے بات مت کرو۔سارجنٹ ہو گئے تو اپنے گھر کے،میں بھی کبھی انسپکٹر رہ چکا ہوں۔'' رؤف نے بچوں کی طرح منہ پھلا کر کہا۔

''اچھا اب تمہاری مونچھوں کی شان میں گستاخی نہیں کروں گا،لو کان پکڑے۔''

''تم ہزار بار وعدے کر چکے ہو۔''

''ہزار میں ایک اور جمع کر لو۔''

''اور پھر جو بولے تو؟''

''تو اپنی مونچھیں کاٹ کر میرے چپکا دینا،بس۔''

رؤف ہنس دیا اور بالے دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

رقیب

اس نے اس کار کو دیکھتے ہی ٹیکسی رکوا دی۔

''کیا بات ہے، صاحب؟'' ٹیکسی ڈرائیور نے پوچھا۔

''ہائے، تم کیا سمجھو گے، استاد۔ اچھا اس کار کا پیچھا کر سکتے ہو؟''

''کیوں نہیں، لڑکیاں مردوں سے تیز گاڑی نہیں لے جا سکتیں۔''

''شاباش، تو بس ثابت کر دو کہ تم مرد، بلکہ جوانمرد ہو۔''

ڈرائیور مسکرا دیا اور اس نے ٹیکسی اس کار کے پیچھے چھوڑ دی۔

''معاملہ کیا ہے، صاحب؟''

''اب تم سے کیا چھپانا، دوست، ہمیں اس لڑکی سے وہ ہو گیا ہے۔'' وہ کسی قدر شرمائے ہوئے انداز سے بولا۔

''اوہ، سمجھا۔ تو آپ اسے پہلے سے جانتے ہیں؟'' ڈرائیور نے مسکرا کر سر ہلایا۔

''ارے کمبخت پہلی ہی ملاقات میں دل، جگر، پھیپھڑے سب اڑا لے گئی تھی۔ جب سے آج نظر آئی ہے۔'' بالے نے لمبی ٹھنڈی سانس کھینچ کر کہا۔

''ایک بات بتاؤں، برا تو نہ مانیں گے آپ؟'' ڈرائیور سمجھانے والے انداز میں بولا۔

''برا کیوں مانوں گا بھلا؟'' اس نے معصومیت سے کہا۔

''اس پٹاخے کے امیدوار وایک آپ ہی اکیلے نہیں ہیں۔'' ڈرائیور نے اپنی عام زبان استعمال کیا

''شہر کے سیکڑوں نوجوان اس کیلیے دل ہتھیلی پر لیے پھرتے ہیں۔''

Akram Allahabadi

''تب تو مشہور شخصیت ہے وہ۔''

''ڈاکٹر زیٹل کی بیٹی ہے، صاحب، کون نہیں جانتا اسے، بلکہ یہاں کے بڑے بڑے لوگ بھی اس کی تمنا رکھتے ہیں اور وہ سب کو پالتو بندر کی طرح نچاتی پھرتی ہے۔'' اس نے بتایا۔

''تب تو ہمیں بھی ناچنا ہوگا؟'' بالے نے پوچھا۔

''اب یہ تو آپ کے اوپر ہے۔''

''اچھا کیا یہ بڑے بڑے لوگ سڑک پر ناچتے ہیں؟''

''سڑک پر نہیں، اشاروں پر۔'' ڈرائیور نے اپنے تئیں اسے قطعی احمق قرار دیتے ہوئے سمجھایا۔

''ارے تو کون الو کا پٹھا اپنی محبوبہ کے اشاروں پر نہ ناچے گا۔ محبوبہ ہوتی ہی کس لیے ہے۔ آپ بھی کمال کرتے ہیں، ڈرائیور صاحب۔ مجنوں نے لیلیٰ کیلیے پتھر اور جوتے بھی کھائے تھے، شیریں کے اشارے پر نوشاد، نو، آئی ایم ساری، فرہاد ڈیری فارم کھولے بغیر دودھ کی نہر بہانے آیا تھا، پھر ہم کس گنتی میں ہیں۔ یعنی چہ پدّی چہ پدّی کا شوربہ۔'' بالے نے مزید حماقت کا ثبوت دیا۔ اور ڈرائیور مسکراتا رہا۔

''صاحب، اپنا فرض تھا سمجھا دینا، آگے آپ جانیں۔''

''مگر استاد، تمہیں یہ اندر کی باتیں کیسے معلوم ہو گئیں؟''

''ہماری ٹیکسیوں میں ہر کلاس اور ہر ذات کے لوگ بیٹھا کرتے ہیں اور اکثر ڈرائیور کو کارکا انجن سمجھ کر اپنی راز کی باتیں بھی ٹیکسی میں ہی ایک دوسرے سے کیا کرتے ہیں۔ آپ اگر کوئی ٹیکسی ڈرائیور ہوتے تو آپ کا سینہ سینکڑوں رازوں کا گنجینہ بنا رہتا۔'' ڈرائیور بولا۔

''اچھا استاد، یہ ڈاکٹر زیٹل کس قسم کا آدمی ہے؟ بہت خوفناک تو نہیں ہے؟''

''دیکھنے میں تو خوفناک ہی معلوم ہوتا ہے، مگر سنا ہے آدمی بڑا زندہ دل اور میٹھا

ہے۔''ڈرائیور نے بتایا۔

''اور ڈاکٹر گلبرٹ؟''

''انھیں تو میں نے آج تک دیکھا نہیں، مگر نام ہر جگہ سنا ہے۔ وہ بڑے شاندار آدمی ہیں اور پبلک کا بہت خیال رکھتے ہیں۔''ڈرائیور نے بتایا۔

کار کے تعاقب میں ٹیکسی چلتی رہی اور وہ گفتگو کرتے رہے۔ ڈرائیور ہوشیار تھا، اس لیے اس نے اس کار کو کہیں نظر سے اوجھل نہیں ہونے دیا۔

''اچھا تو تمہارے خیال میں مجھے کیا کرنا چاہیے؟ میرا مطلب ہے اس لڑکی کے بارے میں۔''

''میں کیا بتا سکتا ہوں، صاحب، میں تو خود لڑکیوں سے کوسوں دور بھاگتا ہوں۔''

''اچھا اچھا، ہم خود ہی کوئی سبیل ڈھونڈھ نکالیں گے۔ اب اوکھلی میں سر تو دے ہی دیا ہے۔''بالے یہ کہہ کر خاموش ہو گیا۔

وہ گاڑی اب مختلف راستوں سے گزر کر جس عمارت کے احاطے میں داخل ہو رہی تھی اسے دیکھ کر بالے کو خیال آیا کہ وہ یہاں آچکا ہے اور پھر اس کے بورڈ نے اس خیال کی تصدیق کر دی۔ یہ طاملوٹ شاہی ہوٹل تھا یہاں تک وہ اس سگار والے آدمی کا تعاقب کرتا ہوا آیا تھا۔

وہ سبز رنگ کی کار پورٹیکو میں رک گئی اور کیٹی اس میں سے اتر کر خرامِ ناز سے چلتی ہوئی ہوٹل میں داخل ہو گئی۔

''اچھا استاد، لو یہ تم بھی دس روپے اور باقی بھی خود ہی رکھ لو۔ اور تمہارے مشوروں کا بہت بہت شکریہ۔''اس نے یہ کہہ کر نوٹ دیتے ہوئے اسے بھی رخصت کر دیا۔

وہ جب ٹیکسی کو رخصت کر کے ہوٹل کے ہال میں داخل ہوا تو اسے کیٹی ایک میز پر تنہا بیٹھی نظر آئی۔ وہ اس کی طرف بڑھ گیا۔ کیٹی نے اسے دیکھتے ہی پہچان لیا۔

Akram Allahabadi

''آپ یہاں کیسے؟'' کیٹی خود ہی اس سے مخاطب ہوئی۔

''جیسے آپ۔''

''میں سمجھی نہیں، میں تو یہاں اکثر آتی ہوں۔'' اس نے پلکیں جھپکا کر کہا۔

''میں نے راستے میں آپ کو کار ڈرائیو کرتے دیکھا تھا، بس مجھے اتنا عشق آیا، اتنا عشق آیا کہ پیچھے پیچھے دوڑا چلا آیا۔''

''اوہ۔'' وہ ہنس دی۔ ''لیکن آپ تو اس دن سے ایسے غائب ہوئے جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔''

''مجھے آپ کے ڈیڈی سے ڈر لگتا ہے۔'' بالے نچوں جیسی معصومیت سے بولا۔

''لیکن عشق تو آپ کو مجھ سے ہوا تھا نا کہ میرے ڈیڈی سے۔'' اس نے آہستہ سے پوچھا۔

''جی، ہوا تو آپ سے ہی ہے، لیکن بزرگوں کا کہنا ہے کہ کسی بھی لڑکی سے اگر کامیاب عشق کرنا ہو تو اس کے باپ کی معرفت کرنا چاہیے۔''

''کس بزرگ نے یہ مشورہ دیا ہے آپ کو؟''

''میرے چچا بھی ہیں اور بڑے باپ بھی۔''

''بیک وقت؟'' وہ پھر ہنس پڑی۔

''دراصل آج تک یہ فیصلہ نہیں ہو سکا کہ وہ پہلے پیدا ہوئے تھے، یا میرے ابا جان۔''

''خیر خیر، فرمایئے میں کیا خدمت کر سکتی ہوں آپ کی؟''

''لعنت ہے اس پر جو آپ سے خدمت لے، میں تو بڑے آرام سے رکھوں گا، پالنے میں جھلاؤں گا۔'' وہ عالمِ تصور میں اسے دونوں ہاتھوں پر کسی بچے کی طرح جھلانے لگا۔ وہ صرف مسکراتی رہی اور اس کے باوجود کہ اس کی یہ مسکراہٹ بڑی قاتلانہ تھی، بالے نے اپنے

موڈ کو اسی سطح پر رکھا۔

''آپ ادھر دیکھ رہے ہیں؟'' اس نے پیچھے پلٹے بغیر ترچھی نظروں سے اشارہ کیا۔ بالے نے اس کی پشت کی طرف کچھ فاصلے پر ایک میز پر بیٹھے دو نوجوان اور تندرست قسم کے آدمیوں کو دیکھ کر اثبات میں گردن ہلا دی۔

''یہ بھی بڑی دشت سے عاشق ہوئے تھے مجھ پر، لیکن مین نے انھں لفٹ نہیں دی۔''

''تھوڑا تھوڑا سمجھ رہا ہوں۔'' وہ ذہن پر زور دیتے ہوئے بولا۔

''اس لیے میرے قریب آنے والے ہر آدمی کے دشمن ہو جاتے ہیں۔'' اس نے بات پوری کر دی۔

''شاید آپ میری جوانمردی کا امتحان لینا چاہتی ہیں؟''

''ظاہر ہے کہ کوئی لڑکی کسی نامرد سے تو محبت نہیں کر سکتی۔''

''انسلٹ، انڈگنیشن۔ میرا جی چاہتا ہے کہ میں آپ کے دشمنوں کے ایک کان کاٹنے کیلیے ٹارزن کے آواز حلق سے نکال لوں، مگر ڈر ہے کہ یہ ہوٹل والے مجھے باہر پھینک دینگے۔ خیر میں ان دونوں کا کچومر بنا کر آپ کی خدمت میں پیش کرونگا۔'' وہ اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے دور سے ان دونوں کو گھونسا دکھاتے ہوئے بولا۔ وہ اسے گھورنے لگے۔

''مجھے دیکھنا ہے۔'' وہ کسی ممتحن کے انداز میں بولی۔

''اف، میرا جوش خون کھا رہا ہے، میں جولیٹ سیزر کی طرح پر غضب ہو رہا ہوں۔ مجھے اور پانی پر مت چڑھایے، ورنہ غصے سے میری شہ رگ پھٹ جائے گی۔'' یہ کہتے ہوئے بالے نے دونوں مٹھیاں بھینچ لیں۔

''ہوٹل کے آداب کا خیال رکھیے۔'' وہ آہستہ سے بولی۔

''کیسے آداب کروں؟'' وہ جیسے سمجھا نہیں۔

Akram Allahabadi

اچانک وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ بالے نے دیکھا اس کی نظریں ہال میں نمودار ہونے والے ایک آدمی پر پڑی تھیں اور یہ وہی سگار والا آدمی تھا جس نے اس کا اسٹیشن سے تعاقب کیا تھا۔ وہ اوپر سے اترا تھا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ یہیں قیام کرتا ہے۔ اس نے بھی کیٹی کی طرف دیکھا اور سیدھا باہر نکل گیا۔ کیٹی اس سے فاصلے پر چلتی ہوئی جب باہر جانے لگی تو بالے اٹھ کھڑا ہوا۔

''ارے، سنیے تو۔'' اس نے وہیں سے پکارا، لیکن اس نے سنا بھی نہیں، نہ پلٹ کر دیکھا۔ بالے اس کے پیچھے جانے کیلیے جیسے ہی ان دو نوجوان آدمیوں کی میز کے پاس سے گزرا، ان میں سے ایک نے اپنا پیر پھیلا دیا، جس سے ٹکرا کر وہ اوندھا گر پڑا۔ اسے گرانے والا جلدی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

''ارے، آئی ایم سارہ، مسٹر، لیکن ذرا دیکھ کر چلا کیجیے۔'' وہ اسے بازو سے تھام کر اٹھانے لگا اور اٹھاتے اٹھاتے اسے پھر گرا دیا۔

''چچ چچ چچ... شاید زیادہ چوٹ آ گئی ہے۔'' اب کی بار اس کے ساتھی نے ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے بالے کو بازوؤں سے تھام کر اٹھایا، لیکن اپنی قوت کے اظہار کیلیے اس نے اپنی انگلیاں اس زور سے اس کے بازوؤں میں گڑائیں کہ کوئی اور ہوتا تو تلملا اٹھتا۔ پھر بھی بالے اداکاری میں پیچھے نہ رہا۔

''اوہ۔'' اس نے تکلیف کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ ''بھائی صاحب، آپ کے ہاتھ ہیں یا فولاد کے پنجے۔'' اس نے اپنے ہاتھوں سے اپنے بازو دباتے ہوئے کہا۔ اس تعریف پر ان دونوں نے اپنی چھاتیاں اور پھلا لیں اور ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر مسکرا دیے۔

''شکر ہے کہ انھیں جلد ہی احساس ہو گیا۔'' ایک نے دوسرے سے کہا اور پھر اپنی جگہ بیٹھ گئے، مگر جب انھوں نے بالے کو بھی باہر کی طرف جاتے دیکھا، تو بیرے کو اشارے سے بلا کر پلیٹ میں دو روپے ڈالتے ہوئے وہ بھی بالے کے پیچھے باہر نکل آئے۔

Akram Allahabadi

بالے نے دیکھا، وہ سگار والا آدمی اور کیٹی، کیٹی کی سرخ ایم جی کار میں بیٹھ رہے تھے۔ وہ اس سے ہنس ہنس کر باتیں کر رہی تھی۔

''مس کے...ٹی...'' بالے نے دور سے ہی اسے آواز دی اور پھر اس کی کار کی طرف دوڑا، لیکن اس نے کار اسٹارٹ کر دی اور قبل اس کے کہ بالے اس کی کار کے نزدیک پہنچے، وہ دونوں آدمی اس پر ٹوٹ پڑے۔ بالے نے خوفزدہ شکل بنالی۔

''ارے ارے، مگر میں نے کیا بگاڑا ہے تم لوگوں کا؟'' وہ ان کے گھونسے روکتے ہوئے سہمی ہوئی آواز میں بولا۔

''محبت میں کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے، بیٹا۔'' ان میں سے ایک دانت پیس کر بولا۔

''سالے کے ہاتھ پیر توڑ دو تو اس کے پیچھے ہی نہ بھاگ سکے گا۔'' دوسرے نے کہا۔

''نہیں بھاگوں گا، بھائی، میں ویسے بھی کہاں تیز دوڑ سکتا ہوں۔ میرے پھیپھڑے بہت کمزور ہیں۔'' بالے نے بیچارگی کی صورت بن کر کہا۔

''اگر دیوداس کو جوتے پڑ گئے ہوتے تو وہ اس بڈھے کی عورت کا تصور بھی نہ کرتا۔'' یہ کہہ کر اس آدمی نے ایک گھونسا بالے کے جڑ ہی دیا۔ بالے چاہتا تو اکیلا ہی ان بہادروں کی چٹنی بنا سکتا تھا، لیکن اس نے بڑے ضبط سے کام لیا، دو چار ہاتھ کھا لیے۔ اتنے میں اندر سے کچھ اور آدمی نکل آئے اور انھوں نے درمیان میں پڑ کر ان آدمیوں سے اسے چھڑا لیا۔ وہ اس طرح ہانپنے لگا، جیسے واقعی بہت مار پڑی ہو۔ اور وہ دونوں اس طرح اکڑے نظر آ رہے تھے، جیسے ان کا مدِ مقابل ساری دنیا میں نہ سہی تو کم از کم اس شہر میں تو نہیں ہے۔

''سالے، اب کبھی تمہیں اس لڑکی کے چکر میں دیکھا تو ختم ہی کر دیے جاؤ گے۔'' ان میں سے ایک نے اسے وارننگ دی۔

''نہیں بھائی، مجھے زندہ رہنا ہے۔'' بالے نے خوفزدہ انداز میں سر ہلا کر کہا۔

دونوں زمین پر تھوک کر اکڑتے چلے گئے اور لوگ بالے سے جھگڑے کی وجہ دریافت کرنے لگے۔

''ارے وہی ڈاکٹر زیٹل کی لڑکی کا چکر ہے۔'' ان میں سے ہی کسی نے کہا۔

''یہ لڑکی اسی طرح لوگوں کو بیوقوف بنا کر آپس میں اڑا دیا کرتی ہے۔'' ایک سنجیدہ قسم کے آدمی نے بالے سے ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

''عقلمند کیلیے اتنا ہی سبق کافی ہے۔'' کوئی تیسرا بولا اور پھر بھیڑ چھٹ گئی۔ بالے نے سڑک پر آ کر ایک ٹیکسی پکڑلی اور ڈاکٹر زیٹل کے اسپتال یا ڈسپنسری کی طرف روانہ ہوگیا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

ڈھلوان پر

اس کا اندازہ صحیح نکلا۔ڈاکٹر ابھی تک موجود تھا اور اس کی کار باہر پورٹیکو میں کھڑی ہوئی تھی، جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ شاید اب جانے والا ہے۔اس نے ٹیکسی باہر ہی رکوا دی اور خود گاڑی سے اتر گیا۔اسے رخصت کرنے کے بعد وہ پیدل ہی اندر آیا اور پورٹیکو میں داخل ہو کر کسی کے قدموں کی آہٹ سن کر ایک ستون کی آڑ میں ہو گیا۔باہر آنے والا آدمی خود ڈاکٹر زیتل تھا اور اس کے پیچھے ایک موٹا سا ادھیڑ عمر کا آدمی تھا، جس کے چہرے پر مردنی چھائی ہوئی تھی۔وہ بڑا مؤدب سا اس کے پیچھے چل رہا تھا۔

''آیئے، آیئے۔'' ڈاکٹر نے اسے کار میں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔اور کوئی نہ تھا۔ڈاکٹر خود ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔

''کیوں نہ میں اپنی کار بھی منگوا لوں۔'' وہ آدمی سادگی سے بولا۔

''اس کی کیا ضرورت ہے، یہ کار بھی اپنی ہی سمجھیے، آیئے۔'' ڈاکٹر نے اصرار کیا۔اور وہ چپ چاپ اندر بیٹھ گیا۔پچھلی نشست پر تاریکی تھی اور بالے اتنی آہستگی سے اس نشست کے پائدان پر کے خالی حصے میں کھسک چکا تھا کہ خفیف سی سرسراہٹ بھی نہ ہو سکی۔ڈاکٹر نے کار اسٹارٹ کر دی۔بالے کو نشست کے نیچے پائدان کے اسی خلاء میں دبکے رہنا پڑا۔اسے یہ تو نہ معلوم ہو سکا کہ کار کدھر جا رہی ہے، لیکن اس کے اندازے کے مطابق تقریباً بیس پچیس منٹ کے بعد کار کے رکنے کی آواز آئی اور پہلے ڈاکٹر اترا اور پھر وہ آدمی۔وہ آگے پیچھے چلنے لگے۔بالے نے بہت آہستہ سے پچھلا دروازہ کھولا اور رینگتا ہوا باہر نکلا۔یہاں گہری تاریکی چھائی ہوئی تھی۔اس نے کچھ دیر تک زمین پر پڑے پڑے آہٹ لی، لیکن شاید کوئی اور نہ تھا۔پھر وہ سیدھا کھڑا ہو گیا۔اس کو ڈاکٹر اور اس کے ساتھی کے سائے سامنے ڈھلوان کی طرف جاتے نظر

آئے ۔یہ کوئی مضافاتی کچی سڑک تھی، جس کے دونوں طرف درخت اور جھاڑیاں تھیں ۔داہنی سمت ٹیلے تھے اور بائیں سمت ڈھلوان ۔اس نے جھک کر دیکھا اسے نشیب میں ایک چوڑی پگڈنڈی مل کھاتی نظر آئی، جس کے کنارے پر سفید پتھر لگے تھے اور اونچے اونچے درختوں کے درمیان اسے نشیب میں ایک ہموار مقام پر ایک بنگلہ نظر آیا، جس کی کھڑکیوں میں روشنی ہو رہی تھی ۔اس کے سامنے کی سمت باغیچہ تھا اور اس میں بھی روشوں پر روشنی کے کھمبے نصب تھے ۔وہ ان دونوں کے پیچھے ڈھلوان میں اترنے لگا، لیکن اس قدر احتیاط سے کہ پیر نہ پھسل جائے ۔پھر بھی ایک جگہ اس کا پیر ذرا سا پھسل ہی گیا ۔وہ خود تو سنبھل گیا، لیکن پیر کے پھسلنے سے کچھ کنکر اور پتھر لڑھکتے ہوئے نیچے جا گرے اور وہ دونوں سائے رک کر ادھر دیکھنے لگے ۔بالے بجلی کی سرعت سے ایک چٹان کی اوٹ میں دبک گیا، ورنہ ڈاکٹر کی ٹارچ کی روشنی تمتماتی ہوئی اس کے چہرے پر ہی پڑتی ۔وہ کچھ دیر اسی جگہ کھڑے رہے پھر اپنا اطمینان کر لینے کے بعد آگے بڑھنے لگے ۔بالے کو اب بہت آہستہ چلنا پڑا اور جب تک وہ نیچے اتر کر اس عمارت کے باغیچے کی دیوار تک پہنچا، وہ دونوں اس کی نظروں سے اوجھل ہو چکے تھے ۔اسے یہ تو یقین تھا کہ وہ گئے اس عمارت میں ہیں، لیکن وہ کس طرف سے اندر داخل ہو، یہ غور طلب بات تھی، کیونکہ باغیچے میں بھی روشنی ہو رہی تھی اور وہ اس گورکھے محافظ کو بھی دیکھ رہا تھا، جو ایک بندوق لیے اس کے دروازے پر ٹہل رہا تھا ۔باغیچے کی دیوار چوڑے پتھر کی اور قدِ آدم تھی ۔وہ اس پر سے چھلانگ کر بھی اگر اندر داخل ہوتا تو اول تو آہٹ کا ہونا یقینی تھا، دوسرے روشنی میں وہ دیکھ لیا جاتا ۔اس نے سامنے کا خیال چھوڑ دیا اور دیوار کی آڑ لیتا عمارت کے عقبی حصے کی طرف نکل گیا ۔اس طرف تاریکی تھی، مگر عمارت کی کھڑکیوں کے شیشے یہاں بھی روشن نظر آ رہے تھے ۔ان کی روشنی کے انعکاس سے پچھلے حصے میں ہلکا سا اجالا پھیلا ہوا تھا ۔وہ جست کر کے دیوار پر چڑھ گیا اور پھر کسی بلی کی طرح پنجوں کے بل اندر کود گیا ۔یہ جگہ ناہموار تھی اور قدرتی حالت میں رکھی گئی تھی ۔یہاں درخت بھی تھے اور جھاڑیاں بھی، لیکن اسے معلوم نہ تھا کہ ان جھاڑیوں میں کانٹے بھی ہوں

گے۔ایک جگہ ایک جھاڑی کے نزدیک سے نکلتے ہوئے اس کے کوٹ کی آستین کانٹوں میں پھنس کر چڑ کی آواز کے ساتھ پھٹ گئی۔وہ ابھی اسے چھڑا ہی رہا تھا کہ اسے کسی کتے کے بھونکنے کی آواز آئی۔وہ چونک پڑا۔اس نے اس خطرے کا خیال کیا ہی نہ تھا۔ایک جھٹکے سے اس نے آستین چھڑائی اور پیچھے کی سمت بھاگا،مگر اسے دو طرف سے دو خوفناک بلڈہاؤنڈ کتوں نے گھیر لیا۔وہ بھوکے بھیڑیوں کی طرح اس پر جھپٹ پڑے۔اب اور کوئی چارہ نہ تھا،سوائے اس کے کہ گولی چلا دیتا،اور اس نے یہی کیا۔ایک کتا تو پہلی گولی سے ہی ٹھکانے لگ گیا،دوسرا غرا کر جو اچھلا تو سیدھا اسی کے اوپر آ رہا۔اس لے ہاتھ سے پستول چھوٹ گیا،لیکن قبل اس کے کہ کتے کے دانت اس کے شانے میں گڑ جاتے،ایک فائر ہوا اور وہ اچھل کر پیچھے جا گرا۔

''بھاگو۔'' کسی نے سرگوشی کے لہجے میں کہا۔عمارت کی طرف سے اب دوڑتے قدموں کی آوازیں آنے لگی تھیں۔وہ یہ بھی نہ دیکھ سکا کہ اس کی مدد کرنے والا کون تھا۔اس نے جست کی اور دونوں ہاتھ دیوار پر ٹکا کر دیوار پھلانگتا ہوا دوسری طرف کود گیا،لیکن انتہا یہیں نہیں ہوئی۔بے تحاشا اوپر سڑک کی طرف دوڑتے ہوئے وہ یہ محسوس کیے بغیر نہ رہ سکا کہ بہت سے آدمی اس کی تلاش میں اس ڈھلوان پر پھیل گئے ہیں۔اس نے رک کر آہٹ لی۔جھاڑیوں کی سرسراہٹ اور بھاری قدموں کی آواز بتا رہی تھی کہ چاروں طرف آدمی پھیل گئے ہیں اور غالباً اسی کو تلاش کیا جا رہا ہے۔وہ جھاڑیوں کی آڑ لے کر رینگنے لگا۔ٹارچوں کی روشنی چٹانوں، درختوں اور جھاڑیوں پر پڑ رہی تھی،مگر اس وقت تک تو وہ ان سے محفوظ تھا،البتہ یہ یقین کرنا مشکل تھا کہ وہ زیادہ دیر ان کی پہنچ سے بچ سکے گا۔اس نے جیب سے اپنا ریوالور نکال کر ہاتھ میں لے لیا اور ایک چٹان اور ایک جھاڑی کے درمیانی تاریک خلاء میں رینگ گیا۔دو آدمیوں کے چلنے اور گفتگو کرنے کی آوازیں قریب آ رہی تھیں۔اچانک ٹارچ کی روشنی اپنا دائرہ بناتی اسی چٹان پر پڑی۔یہ ایک اتفاق ہی تھا کہ وہ بال بال بچ گیا،اگر اس نے ٹھہر جانے کا فیصلہ کرنے میں ذرا دیر کی ہوتی تو اب تک اس کا شکار ہو گیا ہوتا۔اس نے سنا وہ کہہ رہے تھے۔

''اتنی جلدی تو وہ غائب نہیں ہو سکتا۔''

دوسرا کہہ رہا تھا۔''لیکن اگر وہ اس ڈھلوان کی طرف آیا ہی نہ ہو؟''

''اسے بھاگتے ہوئے دیکھا جا چکا ہے۔وہ سڑک تک تو پہنچ نہیں سکتا۔سب سے پہلے ہمارے آدمی وہیں گئے ہیں۔'' پہلا بولا۔

''ابھی تک ایک بھی فائر نہیں ہوا،اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ابھی تک کسی کو نظر نہیں آیا ہے۔''دوسرے نے کہا۔

پھر وہ ٹارچ چمکاتے آگے نکل گئے۔بالے کیلیے بڑی مشکل صورتِ حال تھی۔ابھی وہ یہ طے بھی نہ کر پایا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہیے کہ اچانک ایک فائر کی آواز ہوئی اور کچھ لوگ دوڑتے ہوئے اوپر آنے لگے۔ٹارچوں کی روشنی کے دائرے بنانے لگی۔

''ادھر گیا ہے شاید،بچ کر نہ جائے۔''کسی نے کہا۔اور وہ اسکی بتائی ہوئی سمت میں دوڑتے چلے گئے۔بالے کا دماغ سوچنے لگا کیا کوئی اور بھی ہے اس کے سوائے۔اور اچانک اسے اس نامعلوم سائے کی یاد آئی جو اگر بروقت اس کی مدد نہ کرتا تو نہ جانے اس کا کیا حشر ہوا ہوتا۔تو کیا وہی مصیبت میں ہے؟اس کی خودداری یہ گوارا نہ کر سکی کہ اس کا محسن اس کی بجائے ان شکاری کتوں کے ہاتھ پڑ جائے۔وہ بغیر کچھ سوچے سمجھے جھاڑی سے نکل آیا۔مگر دوڑتے قدموں کی آوازیں بہت دور ہو چکی تھیں۔اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ کسی دوسری سمت نکل گیا ہے۔اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ کون ہو سکتا ہے؟لیکن یہ سوچتے سمجھنے کا موقع ہی نہ تھا۔وہ تیزی چڑھتا ہوا اوپر سڑک پر آ گیا۔سڑک پر زمین پر لیٹ کر اس نے دیکھا کچھ دور دو سائے بندوقیں ہاتھ میں لیے ٹہل رہے تھے اور ڈاکٹر کی کار ان سے تھوڑے فاصلے پر کھڑی ہوئی تھی۔اس نے زمین سے ایک پتھر اٹھا کر پوری طاقت سے دوسری سمت کو پھینک دیا۔اس کے گرنے کی آواز ہوتے ہی وہ لوگ ادھر دوڑ پڑے اور نشیب کی طرف لڑھکتے ہوئے پتھر کے خشک پتیوں پر گرنے سے پیدا ہونے والی پتیوں کی چرچراہٹ کے اندازے میں ٹارچ چمکانے لگے۔بس

اتنا وقفہ کافی تھا۔وہ بجلی کی سی تیزی سے جھپٹ کر کار میں گھس گیا۔یہ ڈاکٹر کی حماقت ہی تھی کہ کار کی کھڑکیاں ہی صرف کھلی نہ چھوڑ گیا تھا، بلکہ سوئچ میں چابی تک لٹکی ہوئی تھی۔اس نے کار اسٹارٹ کی اور لائٹس آن کیے بغیر اسے تیزی سے دوڑا دیا۔وہ دونوں اگر فوراً جست مار کر نیچے نہ لڑھک گئے ہوتے تو کار کی زد میں آجاتے۔اور جب تک وہ سنبھلیں اور فائر کریں، کار ان کی گولیوں کی رینج سے دور جا چکی تھی۔

بالے کو اس وقت بھی اس نامعلوم آدمی کا خیال ستا رہا تھا، جس نے اس کی مدد کی تھی اور ممکن ہے اس وقت پھر اس نے اس کو بچانے کیلیے خود کو سامنے کر دیا ہو، یا شاید وہ بھی اسی کی طرح بچ کر نکلنا چاہتا ہو اور ان کی نظر پڑ گیا ہو۔خدا جانے اب کیا حشر ہوا ہو اس کا۔

کافی دور جانے کے بعد اسے احساس ہوا کہ ایک دوسری کار کافی فاصلے سے اس کا پیچھا کر رہی ہے۔اس نے اپنی کار کی رفتار اور بڑھا دی اور دوسری کار سے اس کا فاصلہ بڑھ گیا۔

اب کم از کم ایک بات تو واضح ہو چکی تھی، اور وہ یہ کہ یہ سب کچھ کوئی مذاق نہ تھا۔ ڈاکٹر زینل کی شخصیت بھی اس کی نظروں میں اب ایک خطرناک حیثیت اختیار کر گئی تھی، مگر ان تمام شبہات کے باوجود ایک امکان یہ بھی تھا کہ ممکن ہے اس کا چور سمجھ کر پیچھا کیا گیا ہو، یا کہیں وہ دوسرا آدمی... کہیں وہ کوئی چور تو نہ تھا، جس کی موجودگی نے خود اس کا کام بگاڑ دیا۔اس خیال سے نامعلوم مددگار کی وقعت اس کی نظروں میں کم ہو گئی۔مگر پھر اس نے اس کی مدد کیوں کی تھی؟ ضرور وہ اس کی آڑ لے کر ان کتوں کو ختم کر دینا چاہتا ہو، پھر وہاں کے لوگ بالے کے پیچھے پڑ جائیں اور اسے اپنا کام کرنے کا موقع مل جائے اور غالباً اسی میں ناکام ہو کر وہ بھاگا ہو گا اور وہ اس کا پیچھا کرتے ہوئے یہاں تک پہنچ گئے ہونگے۔بہر حال وہ چور ہی کیوں نہ رہا ہو، اس کی موجودگی سے اس کی جان ضرور بچ گئی تھی، ورنہ وہ دوسرا کتا تو سیدھا اسکی طرف آیا تھا۔

اس نے جھنجلا کر سوچنا ہی چھوڑ دیا اور جب پیچھے گھوم کر دیکھا تو دوسری کار پیچھے رہ گئی تھی۔شہر میں داخل ہوتے ہی اس نے کار کا رخ سیدھا ڈاکٹر کے بنگلے کی طرف کر دیا۔لیکن

Akram Allahabadi

کار کو کمپاؤنڈ کے باہر ہی روک دیا۔ بنگلے کی کھڑکیاں روشن تھیں اور دروازے پر دربان موجود نہ تھا۔ اس نے کار کی کھڑکیاں لاک کر کے سوئچ کی چابی اپنی جیب میں ڈال لی۔ سڑک سونی پڑی تھی۔ وہ کنارے ہی کنارے ٹہلتا ہوا دور نکل آیا اور پھر اسے چور ہے کے قریب ایک ٹیکسی مل گئی۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

مینڈک اگر نہ ہوتا

یہ معجزہ نہ تھا تو اور کیا تھا۔

وہ آدمی یا تو شوکت ہی ہوسکتا تھا یا اس کی روح ۔

بڑی شان سے وہ اک میز کے پاس کرسی پر پیر پھیلائے بیٹھا پلیٹیں صاف کر رہا تھا۔ بالے کو آج کا مینو معلوم نہ تھا، کیونکہ اسے صرف وہی ناشتہ پہنچایا جا رہا تھا جو اس نے اپنے لیے مخصوص کرا رکھا تھا۔ شوکت کا یہاں موجود ہونا اتنا ہی تعجب خیز معلوم ہوا، جیسے مرغی کے انڈے سے بھینس بھینس پیدا ہوئی ہو۔ پھر اس نے اس خیال سے سر کو جھٹک دیا کہ ممکن ہے یہ بالکل اس سے ملتی جلتی شکل کا کوئی دوسرا آدمی ہو، لیکن اگر ایسا تھا تو یہ دنیا کا ایک عجوبہ ہی ہوسکتا ہے، کیونکہ وہ کسی زاویے سے غیر شوکت نظر نہ آتا تھا۔ احتیاطاً وہ اس سے دور ہی ایک میز کے نزدیک کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا اور غور سے اس کی حرکتوں کو دیکھنے لگا۔ وہ شاید کسی نلی کو گودا چوس رہا تھا، یا کوئی اور چیز ہو۔

بالے کی نظر اچانک میز پر رکھے ہوئے مینو پر پڑ گئی۔ وہ چونک پڑا۔ آج کی مخصوص خوراک تھی ۔

مینڈک کا قورمہ

اور لوازمات میں مینڈک کا اچار، مینڈک کا بھرتہ، مینڈک کا سوپ، مینڈک کا بھیجہ، مینڈک کے پائے، مینڈک کا دل، کلیجی، پھیپھڑا وغیرہ۔

یہ وہ پمفلیٹ تھا جو آج ڈاکٹر گلبرٹ کی طرف سے جاری کیا گیا تھا اور اس کا عنوان تھا:

اسپیشل ڈائٹ

Akram Allahabadi

۱)جاپانی پرل ہاربر پر بم ہرگز نہ گرا سکتے۔

۲)چینی چیانگ کائی شیخ کی حجامت ہرگز نہ کرپاتے۔

۳)ویٹ نامی فرانس کی دم میں دھاگا کبھی نہ باندھ سکتے۔

۴)برمی سرمنڈا کر اولوں کا انتظار ہرگز نہ کرتے۔

بلکہ دنیا میں بہت کچھ نہ ہوتا، اگر دنیا میں مینڈک نہ ہوتا۔

مینڈک کے اوصاف

۳)موسم برشکال میں اس کی الاپ استاد بڑے غلام علی خاں کا چیلنج کر سکتی ہے۔

۴)اس کی چربی آگ سے کبھی نہیں ڈرتی، اس لیے فائر آفیسر اسے سلام کرتے ہیں۔

۵)اس کی دم، جو جوان ہونے تک جھڑ جھاتی ہے) تخلیق انسان کی کہانی دہراتی ہے۔

۶)بندر سے پہلے مینڈک چچا ڈارون کا رشتے دار تھا۔

۷)مینڈک اگر مینڈک نہ ہوتا تو کینگا روہوتا، ورنہ آدمی۔

۸)کنگا رواگر مینڈک کی طرح ریاض کرتا تو خورشید باورا بن جاتا۔

۹)مینڈک جیسا پرامن سیاستداں کبھی نہ پیدا ہوا ہے نہ پیدا ہوگا۔

۱۰)مینڈگ بقائے باہم کے اصول کا سب سے بڑا مبلغ ہے اور خشکی وتری کے جانوروں سے یکساں ووٹ لے سکتا ہے۔

۱۱)مینڈک کبھی سگریٹ نہیں پیتا، اس لیے اس کے پھیپھڑے مضبوط ہوتے ہیں۔

۱۲)مینڈک اور ریل بریز ایک ہی باپ کی اولادیں ہیں۔

برسات کی راتوں میں محمد رفیع زندہ باد۔

خشکی اور تری کا کنگا روزندہ باد۔

Akram Allahabadi

مشورہ

۱)مینڈک کا تیل پی کر آگ کھایے،انگارے خارج فرمایے،آنتوں کوکوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔

۲)مینڈک کا اچار کھا کر وچار کرنے سے آپ آچاریہ بن کر شدھ بھاشا کا پران کرنے میں اول انعام حاصل کر سکتے ہیں۔

۳)مینڈک کی ہڈیوں کا سوپ پی کر آپ اولمپک میں لانگ جمپ چمپئن بن سکتے ہیں۔

۴)مینڈک کا قورمہ آپ کو ہمدرد کے پھنول سے ہمیشہ کیلیے بے نیاز کردے گا۔

۵)اگر آپ کے دم نہیں ہے تو آپ مینڈک ضرور تناول فرمایے،ہر عزت دار آدمی کیلیے دم ضروری چیز ہے۔۔خدا نے چاہا تو ہفت عشرہ میں ہی آپ دمدار ہو جائیں گے۔

۶)چینیون نے مینڈک کھا کر ایسی جستیں لگائی ہیں کہ ہمالہ پر جا بیٹھے ہیں۔آپ تصور فرمائیں گے تو چاند پر جا بیٹھیں گے۔

کئی ہزار سال کی ریسرچ کے بعد ڈاکٹر گلبرٹ کا مشورہ ہے کہ اگر آپ مینڈک نہ کھائیں گے تو زندگی بھر پچھتائیں گے۔آگے آپ کو اختیار ہے۔

خدا ہمیں نیک اجر اور آپ کو نیک ہدایت دے۔

ایک شاعر نے کیا خواب کہا ہے دنیا میں اگر مینڈک نہ ہوتا تو کچھ بھی نہ ہوتا۔

فقط

آپ کے

ڈاکٹر وان زیٹل وغیرہ

بالے نے اس پمفلٹ نما مینو کو پڑھ کر میز پر ڈالا اور ان ڈاکٹروں کے مضحکہ خیز،مگر پراسرار کردار پر غور کرنے لگا۔اچانک 'اوم...اوم...' کی آوازوں نے اسے چونکا دیا۔اور ہال

میں بیٹھے دوسرے لوگ بھی اس طرف متوجہ ہو گئے۔ وہ شوکت ہی تھا، جو ایک ہاتھ سے اپنی گردن دبائے 'اوم' کی آوازیں حلق سے نکال رہا تھا۔ اور اس کا ایک ہاتھ کسی کشتی کے پتوار کی طرح حرکت کر رہا تھا۔ شاید وہ بیرے کو بلا رہا تھا۔

''ابے او سالے بہرے بیرے، اوم...، ابے یہ ہوٹل ہے یا پاگل خانہ؟'' وہ چیخنے لگا۔ ایک بیرا فوراً دوڑ کر قریب آ گیا۔

''کیا بات ہے، صاحب؟'' اس نے اس سے ادب سے پوچھا۔

''بات، ابے چڑی کے اٹھے، یہ مجھے کیا کھانے کو دیا تھا؟ اوم...'' شوکت نے حلق تھامے تھامے پوچھا۔ اور اس کی آواز اور الفاظ سے بالے کا رہا سہا شبہ بھی جاتا رہا۔

''اسپیشل۔'' بیرے نے بتایا۔

''اسپیشل؟ یا نی یہ...اوم...اپنے باپ کا اچار؟'' شوکت نے مینو اس کے سامنے پھینک کر کہا۔

''صاحب آپ نے ہی تو کہا تھا کہ جو چیز اسپیشل بنی ہو، لے آؤ۔'' بیرا معصومیت سے بولا۔

''اور لو، یا نی یہ سالا مینڈک؟ اوم...، یہ سالا مینڈک بھی کھانے کی چیز ہے گویا؟''

''جناب، آپ نے شاید ڈاکٹر گلبرٹ کا مشورہ نہیں پڑھا ہے۔'' ایک آدمی نے پاس کی میز سے شوکت کو سمجھانا چاہا۔

''تیل لینے گئے ڈاکٹر ماکٹر اور آپ جناب بھی۔ لاحول ولاقوۃ۔ کیا کھلا دیا سالے حرامیوں نے؟ اوم...'' وہ گالیوں پر اتر آیا۔ شور کی آواز سن کر خود منیجر آفس سے نکل آیا۔ بالے اپنی جگہ بیٹھا تماشا دیکھ رہا تھا۔

'کیا ہوا، جناب؟ کچھ شکایت ہے آپ کو؟'' اس نے شوکت سے ادب سے پوچھا۔

Akram Allahabadi

"اے لو، اے جناب، شکایت کا باپ ہے۔ اب میں کیا کروں؟ میرے پیٹ میں سے ان سور کے بچوں کو کون نکالے گا؟ ہائے، میں مینڈک کھا گیا۔ اوع.. لاحول ولاقوۃ۔ تھو.. آخ.. ہُق..." اس کے حلق سے عجیب عجیب سی آوازیں نکلنے لگیں۔

"لیکن کوئی چیز آپ کو زبردستی تو نہیں کھلائی گئی، آپ نے جو طلب کیا وہ حاضر کر دیا گیا۔" منیجر نے جواب دیا۔ کچھ اور لوگ بھی قریب آ کر جمع ہو گئے۔

"نہیں نہیں، آپ تو مادرزاد بے قصور ہیں۔ ارے دنیا میں کہاں ان جانوروں کو کھایا جاتا ہے۔ سالا کیچڑ کی اولاد۔ سالا ٹرٹر، ہوشت۔ ہائے، میرے پیٹ کا ستیاناس ہو گیا۔ اب میں زندہ کیسے رہوں گا؟" وہ پیٹ پکڑ کر چیخنے لگا۔

"گھبرائیے نہیں، جناب، یہ تو بڑی اچھی چیز ہے، آپ کا ہاضمہ درست کر دے گی۔"

"گولی ماردوں گا، اللہ قسم، گولی ماردوں گا۔" شوکت بوکھلا گیا۔ "ایسی تیسی تمہاری سب کی بھی۔ ہائے، شموخاں، اے کوئی ہے؟ مجھے کوئی لے چلو یہاں سے اٹھا کے۔ ارے، میں مینڈک کھا گیا، سالا کیسا کیسا الجبرا بنایا تھا سالوں نے۔ کوئی خاں بھی دھوکا کھا جائے۔" وہ پیٹ پکڑ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"کوئی پردیسی معلوم ہوتا ہے بیچارہ۔" کسی نے پیچھے سے کہا۔

"ہاں جاؤ، پردیسی ہوں، بیچارا ہوں، تمہارے باپ کا کیا؟ تم تو مینڈک کھلاؤ۔" شوکت اس پر بھی بگڑ پڑا۔

"مگر جناب اکیلے آپ ہی نہیں، یہ تمام میزوں پر کتنے شوق سے لوگ ڈاکٹر گلبرٹ کی ڈائٹ کھا رہے ہیں۔"

"ڈائٹ کھا رہے ہوں یا جوتے، اللہ تم لوگوں پر عذاب نازل کرے گا۔ تم نے مجھے حرام کھلایا ہے۔ سالا وہ اچکنے والا۔ او..."

"دیکھیے جناب، آپ حد سے گزر رہے ہیں؟"

Akram Allahabadi

Akram Allahabadi

"ہاں جاؤ گزر تے ہیں...اوغ...یانی ایک تو چوری اوپر سے سینہ زوری۔"

"بیرا، بتاؤ پولیس کو فون کرو۔ یہ صاحب غنڈہ گردی پر آمادہ معلوم ہوتے ہیں۔"

منیجر نے پاس کھڑے ہوئے بیرے کو حکم دیا اور وہ جانے لگا۔

"جاؤ جاؤ، بلاؤ پولیس کو، بلکہ پولیس کے باپ کو۔لو،ایک تو سالے مینڈک کھلائیں اوپر سے یہ دھونس، ہوشت۔"

"مسٹر، ذرا زبان تو شریفوں کی استعمال کیجیے۔" گاہکوں میں سے ہی ایک نے منیجر کی ہمدردی میں دخل دیا۔

"نہیں کرتے جاؤ، کرلو جو بنے تم سے۔" شوکت اکڑ گیا۔

"یہ حضرت یوں نہیں مانیں گے۔" وہ آدمی جو خاصے ڈیل ڈول کا معلوم ہوتا تھا، آگے بڑھ آیا۔منیجر کے اشارے پر ہوٹل کے کچھ بیرے بھی اس کی مدد کیلیے آگے بڑھ آئے، لیکن ان سے پہلے ہی بالے شوکت کے پاس پہنچ چکا تھا۔

"سلامالیکم، شوکت بھائی۔" اس نے اسے مخاطب کیا اور وہ اسے دیکھ کر چونک پڑا۔

"اے لو تم، یانی تمہارے لیے ہی تو جھک مارنے آیا تھا میں۔" شوکت نے برا سا منہ بنا کر کہا۔" اور سالوں نے یہاں مجھے مینڈک کھلا دیا۔ ان کے قورمے کی ایسی تیسی اور اس ڈاکٹر کی بھی۔"

"جناب، نگبرٹ کی شان میں ایک لفظ بھی کہا آپ نے تو بہت برا ہوگا۔" منیجر نے اسے تنبیہ کی۔بالے نے شوکت کا ہاتھ دبا دیا۔

"نہیں نہیں، میں کائے کو ڈروں گا، اے لو، ایک تو مینڈک کھاؤ، اوپر سے ڈرو، ہشت۔" شوکت نے بالے کی بھی پرواہ نہ کی۔

"اچھا تم میرے ساتھ آؤ۔" بالے نے اس کا ہاتھ پکڑ کر گھسیٹا۔

''ارے،اور جو مجھے قے آرہی ہے۔''

''میرے کمرے میں کر لینا، چلو تو۔''

''تو تم یہیں مر رہے ہو گویا؟''شوکت اس کے ساتھ چلنے لگا۔

''یہ میرے دوست ہیں، منیجر صاحب، میں سمجھالوں گا انھیں۔''بالے نے منیجر سے کہا۔

''بہتر ہے۔''منیجر نے خوش اخلاقی سے کہا۔''لیکن آپ انھیں یہ سمجھایے کہ یہاں لوگ ڈاکٹر گلبرٹ کی شان میں کوئی گستاخی بڑی مشکل سے ہی برداشت کر پاتے ہیں۔''منیجر نے کہا۔

''مجھے معلوم ہے۔''بالے نے کہا اور ان کے بیچ سے اسے نکال کر اوپر اپنے کمرے میں لے آیا۔

شوکت کا منہ ابھی تک پھولا ہوا تھا۔بالے نے دروازہ اندر سے بند کر لیا۔

''پہلے تم یہ بتاؤ کہ تم یہاں آئے کیسے؟''بالے نے اس سے پہلا سوال کیا

''میری خشی، جہاں چاہوں جاؤں، کوئی تمہارا اجارا ہے کیا؟''

''ڈیئر سکھٹ، یہ پاگلوں کا شہر ہے۔یہاں لوگ تھپڑوں سے سلام کرتے ہیں۔ گھاس اور مینڈک کھاتے ہیں اور چھتوں سے الٹے لٹک کر سوتے ہیں۔تم یہاں ایک دن نہیں رہ سکو گے۔''

''ارے جاؤ میاں خاں، میں جانتا ہوں تم مجھے بھگانے کیلیے سب کہہ رہے ہو، مگر میں کوئی تمہارے اوپر نہیں آیا ہوں۔میں خود بالغ ہوں، جہاں چاہوں رہ سکتا ہوں، جو جی چاہے کر سکتا ہوں۔''

''او گدھے، تمہاری بلوغیت کے حقوق کا ذکر نہیں کر رہا ہوں۔''بالے جھنجلا گیا۔

''حقوق مقوق سب تیل لینے گئے۔اے لو، ایک تو آپ کو ڈھونڈتے پھرو اور اس

میں مینڈک کھاؤ۔اوغ...لاحول ولاقوۃ۔ارے میں بھی کتا وہ ہوں یانی، پتا کہ ناحق کائے کو ڈھونڈنے کا تھا۔ایں، یانی وئی بات ہوئی کہ،

قاضی جی دبلے کیوں...لوبولوشہر کے انڈے سے

''نائیں نائیں، انڈے سے سے، لاحول ولاقوۃ۔''

''تم ضرور کسی چکر میں آئے ہو، استاد۔''بالے نے ایک آنکھ دبا کر کہا۔

''ہاں جاؤ آئے ہیں، اور آئیں گے، سیکڑوں بار آئیں گے۔''

''کسی عقلمند نے تمہیں بتایا ہوگا کہ یہاں لونڈیوں کے کھیت اگتے ہیں۔''بالے نے کہا۔

''ارے مُیں، سچ؟''

''میں تمہیں ایک ایسی حسین لڑکی کے درشن کرا سکتا ہوں جو تمہیں دیکھتے ہی چاروں ہاتھ پیر سے قربان ہو جائے گی تم پر۔''

''ہوشت، بناؤ مت مجھے، میں توبہ کر چکا ہوں لونڈیوں کے چکر سے، اللہ بھلا کرے خان صاحب کا۔مُیں تو تمہارے چکر میں تو وئی بات ہوتی ہے کہ

''نہ خدا ہی ملتا نہ مثالِ صنم اور نہ ادھر کے رہتے اپن نہ ادھر کے رہتے۔''

شوکت نے شاعرانہ تمثیل پیش کی۔

''تو پھر کیا ٹھیکیداری کرنے آئے ہو یہاں؟''

''کائے کو، یہاں کائے کی ٹھیکیداری میکیداری ہے۔''

''ارے کمبخت، کسی گدھے نے تمہیں اس پاگل خانے کی سیر کرنے کا مشورہ دیا تھا؟''

''میں کائے کو بتاؤں اپنا راز۔''

''اخاہ، تو یہ بھی کوئی راز ہے۔''بالے نے منہ بنایا۔

Akram Allahabadi

''ہاں جاؤ ہے،اور بھوت بڑا راز ہے۔''

''تو بتا دو نا،ڈیئر۔''

''اب میں کوئی پیٹ کی ہلکی اورت نہیں ہوں۔میں تمہارے باپ کو بھی نہیں بتاؤں گا۔''

''نہ بتاؤ،میرے مؤکل مجھے خبر کر دیں گے۔''

''ارے واہ،بھوت حافظ زیار علی خاں ہو تم۔''

''خیر ہو تو تم مجھے کیوں ڈھونڈ رہے تھے؟''

''خاں صاحب نے کہا تھا کہ تم یہیں کہیں مر رہے ہو۔''

''اور تم ٹھہرے کہاں ہو؟''

''آسمان پے،تم کو کیا؟''

''نہیں بتاؤ گے؟''

''نہیں۔یہ میرا پرائیوٹ معاملہ ہے۔''

''میں خود تمہارا پیچھا کر کے معلوم کر لوں گا۔''

''خاں صاحب نے مجھے سب سکھا دیا ہے۔''

''کیا؟ کوئی پیچھا کرے تو انگلیاں توڑ کر اسے کوسو،یہی نا؟''

''ہوشت،ارے وہ سالا مینڈک پھر یاد آ گیا۔اوع...''

''اور ہاں خاں صاحب نے کہا ہے کہ یہاں کی پولیس کی مدد نہیں ملے گی،اس لیے اپنے نام پے کام کرو۔''

''کیا مطلب؟''

''مطلب وطلب تو تم جانو،وہ جانیں۔''

''اگر تم اپنا پتا نہیں بتاؤ گے تو میں بھی اس لڑکی سے تمہیں نہیں ملاؤں گا۔''بالے نے

Akram Allahabadi

اسے رشوت دینی چاہی۔

''میاں خاں، اپن جہاں ٹھہرے ہیں، وہاں بھوت لڑکیاں ہیں۔''

''الہٰ مبارک کرے، مگر تم میرے پاس کیوں آئے؟''

''لانت بھیجنے۔ یانی ایک تو دوستی میں ملاقات کو آؤ، اوپر سے کیوں آئے۔''

''تم نے اچھا نہیں کیا، یہ منیجر شاید میری نگرانی کرا رہا ہے اور اب تمہاری بھی نگرانی کرائے گا، مجھے دہری پریشانی ہوگی۔''

''ارے میں اکیلا نئیں ہوں، اوئے...، نئیں نئیں، میں اکیلا ہوں۔ اللہ قسم بالکل اکیلا ہوں۔'' وہ بوکھلا گیا۔

''تم چھپا رہے ہو کچھ؟''

''نئیں نئیں۔''

''اچھا کھاؤ میری بیگم کی قسم۔''

''کائے کو، نئیں کھاتا جاؤ۔''

''اچھا بتاؤ، ڈیئر، اگر تم سچے دوست ہو گے میرے تو ضرور بتاؤ گے، ورنہ میں سمجھوں گا کہ تم پکے فراڈ ہو۔''

''تم خد ہو گے میاں خاں فرہاد، اپن نئیں ہیں۔''

''مت بتاؤ۔'' بالے نے منہ لٹکا لیا اور شوکت ہنس دیا۔

''اچھا بس اتا سن لو۔'' یہ کہہ کر وہ اس کے کان کے پاس منہ لایا۔ ''خاں صاحب یہیں ہیں۔'' وہ سرگوشی کے لہجے میں بولا۔

''ایں...؟'' بالے نے حیرت سے دہرایا۔ ''تب ہی مجھے شک ہو رہا تھا۔''

''اے لو، یانی اب خاں صاحب پے بھی شک کرنے لگے۔''

''بس اب تم جا سکتے ہو، تمہارا یہاں زیادہ ٹھہرنا اچھا نہیں ہے۔''

Akram Allahabadi

"ہائے مینڈک۔" ایس پھر مینڈک یاد آ گیا اور ابکائیاں آنے لگیں۔ بالے اسے دروازے تک چھوڑنے آیا۔ اور اس وقت تک وہ زینے پر سے دیکھتا رہا، جب تک کہ وہ ہوٹل سے باہر نہ نکل گیا ہو۔ بالے کی نظر منیجر پر تھی۔ اور اس نے دیکھا کہ منیجر نے ایک آدمی کو شوکت کے پیچھے جانے کا اشارہ کیا ہے۔ اس نے جلدی سے اپنا کوٹ پہنا، اور ریوالور کو جیب میں ٹٹولتا ہوا زینے اترنے لگا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

خادم ومخدوم

وہ آدمی شوکت کا پیچھا کر رہا تھا۔ بالے جس وقت باہر نکلا تھا، اس وقت منیجر اپنے آفس میں جا چکا تھا، اس لیے خود اپنے تعاقب کیے جانے کا خطرہ نہ تھا۔ اس کی سمجھ میں یہی نہ آسکا تھا کہ آخر منیجر کس بات سے خوفزدہ ہے۔ وہ کیوں اجنبیوں پر اس قدر توجہ دے رہا ہے؟ ایسا کونسا سلسلہ ہے جس کیلیے اس قدر احتیاط برتی جا سکے، کیونکہ بظاہر تو معاملات کچھ بھی نہ تھے، سوائے اس کے یہ کچھ عجیب لوگوں کا عجیب سا شہر تھا۔

اس شہر کے لوگ کبھی بلا کے سنجیدہ اور باشعور نظر آتے اور کبھی عجیب حرکتیں کرتے۔ اس شہر میں ڈاکٹر گلبرٹ اور ڈاکٹر زیٹل جیسے لوگ تھے۔ لوگ جنکے مشوروں کو کسی حکیم کی طرح ماننے لگے تھے۔ وہ اس پر اعتقاد رکھتے تھے۔ مگر وہ آدمی وہاں کیوں لے جایا گیا تھا؟ وہ کون تھا؟ اور پھر اس سرگرمی سے ڈاکٹر گلبرٹ کے بنگلے کے ایک چور کی تلاش کیوں کی گئی تھی؟ اس کے آدمی مسلح کیوں تھے اور انھوں نے چور کو جان سے ختم کر دینا ہی کیوں چاہا تھا؟ اسے اگر صرف پکڑنا ہی مقصود ہوتا تو اس کیلیے اتنے بہت سے مسلح آدمیوں کی ضرورت کیوں ہوتی؟

بہر حال اس واقع کو اور اسٹیشن والے واقع کو نظر انداز کرنے کے بعد اسے تمام معاملات انتہائی مضحکہ خیز معلوم ہوئے۔ اور اسے خان پر غصہ آنے لگا کہ اسے آخر یہاں بھیجا کس مقصد سے گیا ہے۔ اور ان معاملات میں اس قدر رازداری کیوں برتی جا رہی ہے؟

سوچتے سوچتے اس کی توجہ ایک منٹ کیلیے اس آدمی کی طرف سے ہٹ گئی اور دوسرے لمحے جب اس نے غور سے دیکھا تو نہ شوکت اسے نظر آیا اور نہ وہ آدمی۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

شیش آسن

وہ واپس لوٹ رہا تھا کہ راہ میں اس کی نظریں ایک اخبار فروش کی دکان پر پڑ گئیں اور وہ چونک پڑا۔ سامنے لٹکے ہوئے ایک مقامی انگریزی اخبار میں پہلے صفحے پر ہی جو فوٹو چھپا ہوا تھا، وہ اسے پہچانا سا معلوم ہوا۔ اور چند سیکنڈ غور کرنے کے بعد ہی اسے رات والا وہ آدمی یاد آ گیا جسے اس نے ڈاکٹر زیتل کے ساتھ جاتے دیکھا تھا۔ اس نے وہ اخبار فوراً خرید لیا اور پہلی خبر کی سرخی پڑھتے ہی اچھل پڑا۔

'مخیرِ اعظم سردار اسمٰعیل نے خودکشی کر لی'

اس فوٹو کے نیچے بھی یہی نام لکھا ہوا تھا اور خبر میں تفصیل دیتے ہوئے لکھا گیا تھا کہ سردار اسمٰعیل نے ڈاکٹر گلبرٹ کے عوامی اسپتال کیلیے دو لاکھ کا عطیہ بھی دیا تھا۔ ڈاکٹر گلبرٹ کی کوششوں سے پچھلے دنوں ان کی حالت کافی بہتر ہو گئی تھی، لیکن رات جب وہ کسی کو خبر کیے بغیر اپنی کار لے کر نکل گئے تھے۔ ان کی لاش کو اس برج کے پاس ایک درخت سے لٹکی پائی گئی۔ انھوں نے گلے میں پھانسی لگا کر خودکشی کر لی۔ ان کی کار بھی اس درخت سے کچھ فاصلے پر کھڑی ہوئی تھی۔ وہ اپنے شام کے لباس میں تھے اور گھر والوں کا بیان ہے کہ کل وہ کچھ پراگندہ ذہن بھی معلوم ہو رہے تھے۔ ان کی جیب سے ایک خط برآمد ہوا ہے جس میں انھوں نے لکھا ہے کہ،

میں خودکشی کر رہا ہوں، اس لیے کہ مجھے جنت
میں جانا ہے۔ اپنی دانست میں میں اتنی نیکیاں کر چکا
ہوں کہ مجھے اور کہیں نہ جانا چاہیے۔ میں سمجھتا ہوں کہ
مجھے وہاں ایک موتیوں کا محل اور خوبصورت حوریں ضرور
ملیں گی۔ کیونکہ میں اپنا تمام سرمایہ ڈاکٹر گلبرٹ کے

Akram Allahabadi

ریسرچ ڈپارٹمنٹ کے نام اس لیے وقف کر رہا ہوں کہ
وہ اس کے ذریعے انسانوں کی اور خصوصاً غریبوں کی
زیادہ سے زیادہ خدمت کر سکیں۔ میرے پیچھے میرے
کوئی ورثا نہیں۔ ایک لڑکی ہے، جس کی میں شادی کر
چکا ہوں۔ باقی کوئی نہیں۔ اور جو کوئی میرا وارث بننے کی
کوشش کرے گا وہ یا تو فراڈ ہو گا یا سنکی۔

یہ خط لکھتے ہوئے میرا دماغ قطعی درست
حالت میں ہے، اس لیے سرکاری لوگ کوئی مین میخ
نکالنے کی کوشش نہ کریں۔

فقط
سردار اسمٰعیل

اس خط کے ساتھ ان کی جائداد کی تفصیل بھی درج تھی جو منقولہ اور غیر منقولہ ملا کر ۳۵ لاکھ سے کم ہرگز نہ تھی۔ ساتھ ہی ڈاکٹر گلبرٹ کا ایک تعزیت نامہ اور بیان بھی تھا، جس میں انھوں نے سردار اسمٰعیل کی اس اچانک موت پر اظہارِ حیرت و افسوس کرتے ہوئے پبلک سے اپیل کی تھی کہ وہ ایسے مخیّر اعظم کا ماتم ضرور منائے اور حکومت سے اپیل کی تھی کہ ایک دن کیلیے دفاتر بند کر دیے جائیں۔ مگر اخبار نے یہ بھی لکھا تھا کہ حکومت نے ڈاکٹر گلبرٹ کی اپیل پر کوئی توجہ نہیں دی، جس سے عوام میں بدظنی پھیل رہی ہے۔

☆☆☆☆☆☆

اس خبر کو ختم کر کے اس نے راہ چلتے چلتے سارا اخبار دیکھ ڈالا، مگر اس میں کہیں بھی

رات والے واقعے سے متعلق کوئی خبر نہ تھی۔ حالانکہ اسے توقع تھی کہ ڈاکٹر گلبرٹ کے بنگلے میں کسی چور کے گھسنے کی خبر ضرور دی گئی ہوگی۔ اور اس خبر کے نہ ہونے نے اسے ایک نئے شبے میں ڈال دیا۔ ڈاکٹر گلبرٹ نے ایسا نہیں کیا، جبکہ اس پر یا اس چور پر فائر بھی کیے گئے تھے۔ اس کا مطلب تو یہی ہوسکتا ہے کہ وہ نہ چاہتا ہوگا کہ پولیس کسی تفتیش یا سراغ رسانی کے سلسلے میں اس کے بنگلے کے نزدیک آئے، مگر کیوں؟

وہ اخبار دیکھتا ہوا اسی دھن میں فٹ پاتھ پر چل رہا تھا کہ کوئی اس سے ٹکرا گیا۔ وہ چونک کر اسے دیکھنے لگا۔ اگر وہ آدمی اسے خود کہنی سے سنبھال نہ لیتا تو بالے جھونک میں گر ضرور جاتا۔

''ذرا سنبھل کر چلا کرو، صاحبزادے۔'' وہ یہ کہتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ بالے صرف اتنا دیکھ سکا کہ وہ کوئی تندرست سا لمبا تڑنگا آدمی تھا، جس کے چہرے پر سیاہ گھنی داڑھی تھی اور سر کے بال چھوٹے اور خشک تھے۔ وہ سادا سی سفید پتلون اور سفید قمیص پہنے ہوئے تھا اور اس کے ہاتھوں میں کچھ سامان تھا۔ بالے اس کی آواز کے بارے میں سوچ رہا تھا، جو موٹی اور بھدی ضرور تھی، مگر ایسا معلوم پڑتا تھا جیسے کہیں سنی ہو۔ پھر کچھ سوچ کر اس نے دوبارہ مڑ کر دیکھا۔ وہ آدمی نظروں سے اوجھل ہو چکا تھا۔ بہرحال اس نے اس کی چنداں پروا نہ کی۔ وہ یہ سوچنے لگا کہ ابھی تک نہ وہ تعاقب کرنے والا آدمی اسے مل سکا ہے اور نہ منیجر نے ہی کوئی قابلِ غور حرکت کی ہے۔ جہاں تک شوکت والے معاملے کا تعلق تھا، یہ سوچا جا سکتا تھا کہ شوکت نے ہوٹل میں اس کی اور اسٹاف کی خاصی بے عزتی کر دی تھی، اس لیے ممکن ہے وہ آدمی اس نے کسی اشتعال کے تحت اس کی مرمت کرنے کیلیے بھیجا گیا ہو۔

بہرحال اس وقت تو اس کی نظروں میں سب سے اہم معاملہ سردار اسمٰعیل کا ہی تھا، کیونکہ وہ وہی آدمی تھا جسے اس کے سامنے ڈاکٹر زیٹل لے گیا تھا اور اس میں بھی ضرور کوئی مصلحت رہی ہوگی جو ڈاکٹر نے اپنی کار ڈاکٹر گلبرٹ کے بنگلے تک نشیبی راستے سے لیجانے کی

بجائے اتنی دور ڈھلوان سے اوپر سڑک پر کھڑی کی تھی۔اس کا جی چاہا کہ اس معاملے میں یہاں کی پولیس کو حالات سے مطلع کر دے، مگر پھر اسے خیال آ گیا کہ یہاں لوگ ڈاکٹر گلبرٹ سے اندھی عقیدت رکھتے ہیں اور پھر وہ خود بھی اس طرح کھل کر سامنے آجائے گا۔ چنانچہ اس نے اپنے طور پر ہی کچھ کر ڈالنے کا منصوبہ بنانا شروع کر دیا۔

☆☆☆☆☆☆

اس نے جب اپنے کمرے کی کھڑکی کھولی تو اسے ایک عجیب منظر نظر آیا۔سڑک کے پار سامنے والی عمارت کی ہر منزل کی کھڑکیاں کھلی ہوئی تھیں اور اندر روشنی ہو رہی تھی۔رات کے گیارہ بج چکے تھے۔پہلے بھی اکثر اسے یہ کھلی نظر آتی تھیں، لیکن اس نے کبھی غور نہیں کیا تھا۔ آج وہ خوامخواہ اپنی کھڑکی میں کھڑے ہو کر دیکھنے لگا۔اسے اس عمارت کے اکثر کمروں میں آدمی اور عورتیں چھت سے الٹے لٹکے نظر آئے۔

بات حیران کن بھی تھی اور مضحکہ خیز بھی۔کوئی ایک آدھ آدمی نظر آتا تو وہ اسے کچھ اور سمجھ لیتا، مگر وہ تو بہت سے کمروں میں الٹے لٹکے نظر آ رہے تھے۔وہ دیر تک انھیں دیکھتا رہا، مگر ان میں کوئی تغیر نہیں پیدا ہوا۔پھر اچانک اسے خیال ہوا کہ کہیں وہ مردہ نہ ہوں۔اور اس خیال سے ہی اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔وہ کھڑکی سے ہٹ کر اپنے پلنگ کے پاس آرام کرسی پر آ بیٹھا، مگر اسی وقت اس کی نظر تپائی پر پڑے ہوئے ایک چھپے ہوئے ایک کاغذ پر پڑ گئی۔یہ کاغذ اس کا تو نہ تھا اور نہ ہی وہ کوئی کاغذ یہاں رکھ کر گیا تھا۔اس نے اسے اٹھایا اور پڑھنے لگا۔اس کاغذ کے قریب ہی سفید دو گولیاں پیکٹ میں رکھی تھیں۔اس کو مضمون تھا،

اگر آپ چاہتے ہیں کہ...

۷۱ برس کی عمر میں آپ نوزائیدہ معلوم ہو۔

اور ۷۲ برس کی عمر میں آپ کی بیوی آپ کی نانی نظر آنے لگے۔

Akram Allahabadi

یعنی آپ کو بوڑھا سمجھنے والے کی عقلِ سلیم گھاس چر جائے۔

اور آپ کی ۴۷ سالہ جوانی کو حسینانِ گل اندام رشک کی نظروں سے دیکھیں، یا میونسپل کا محکمۂ ریکارڈ پیدائش آپ کو سرے سے پیدا شدہ تسلیم کرنے سے انکار کردے، تو چمگاڈر سے شیش آسن کا سبق لیجیے۔

چمگاڈر۔ جو سالہا سال سے گرتے ہوئے آسمان کو اپنے پیروں پر روکے ہوئے ہے۔

چمگاڈر۔ جو ساری دنیا کو الٹا لٹکا کر خود سیدھی لٹک جاتی ہے۔

یاد رکھیے، چمگاڈر اگر شیش آسن ایجاد نہ کرتی تو دنیا میں کوئی آشرم نہ ہوتا۔ الٹا لٹکنے سے آپ قوم کے لیڈر بھی بن سکتے ہیں اور دارا بھی، کیونکہ اس طرح جسم کی تمام صلاحیتیں سمٹ کر بھیجے میں آجاتی ہیں اور آدمی نہ صرف بہت عقلمند بلکہ موٹی گردن بھی بن جاتا ہے۔

اس لیے ہفتے میں کم از کم ایک رات ضرور الٹے لٹک کر آرام فرمایے۔

برسرِ درد نیند لے آنے والی یہ خواب در خواب آور گولیاں بھی آپ کی مدد کریں گی۔

الٹے لٹکیے اور پہلے چمگاڈر کو اور پھر ڈاکٹر گلبرٹ کو دعا دیجیے۔

فقط۔ ڈاکٹر زیتل برائے ڈاکٹر گلبرٹ

☆☆☆☆☆☆

اور اس عبارت کو پڑھ کر بابے کی سمجھ میں آگیا کہ لوگ کیوں الٹے لٹکے ہوئے ہیں۔ اس کی کھوپڑی چکرا گئی۔ کیا واقعی یہ پاگلوں کی ہی بستی تھی؟ اور کیا ڈاکٹر گلبرٹ اور ڈاکٹر زیتل ان پاگلوں کے سربراہ ہیں؟ مگر نہیں، وہ تو خود سارے شہر کو پاگل بنائے ہوئے تھے۔

"پاگل بنائے ہوئے تھے۔" یہ خیال اس کے ذہن میں اٹکنے لگا اور ایک بالکل نیا شبہ اس کے ذہن کی تاریکی سے امید کی ایک کرن بن کر ابھرا۔ سارے شہر کو کسی نے پاگل بنا رکھ

اہے۔کس نے؟ ڈاکٹر گلبرٹ نے؟ ڈاکٹر زیٹل نے؟ لیکن اگر ایسا ہے تو وہ علی الاعلان کیوں ایسی حماقتوں کا اظہار کرنے لگے؟ اس کا دماغ کسی فیصلے پر نہ پہنچ سکا، البتہ اس طرح ڈاکٹر گلبرٹ کی شخصیت اس کے ذہن میں اور پر اسرار بن گئی۔ وہ یقیناً کوئی بہت دلچسپ، بڑا عجیب، مگر بڑا خطرناک شخص ہوگا، جو ہزاروں، لاکھوں انسانوں کو اپنے اشاروں پر نچا رہا ہے۔

ان خیالات کے ہجوم میں اس کے تصور میں منیجر کا چہرہ ابھرا اور کھلا ہوا تارکا لفافہ اور تعاقب کرنے والا۔ وہ پراسرار سگار باز اس کی نظروں میں گھوم گئے۔ پھر اسی آدمی کو اس نے کیٹی کے ساتھ دیکھا تھا۔ کیٹی ڈاکٹر زیٹل کی بیٹی ہے اور ڈاکٹر زیٹل ڈاکٹر گلبرٹ کا ساتھی۔ تو کیا یہ سب کچھ ایک ہی سلسلہ ہے؟ اس خیال کے آتے ہی وہ اس ہینڈ مل کو اٹھا کر گون پہنے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ اسی بہانے منیجر کو چیک کرنا چاہتا تھا۔

منیجر کا رہائشی کمرہ نیچے ہی تھا۔ وہ غیر شادی شدہ تفریح پسند قسم کا آدمی تھا۔ نیچے ہال میں سناٹا تھا۔ مہمان اپنے کمروں میں جا چکے تھے اور ملازم شاید گھروں کو۔ رات کی ڈیوٹی والے ملازم اگر رہے بھی ہوں تو وہ کچن یا عقبی حصوں میں ہوں گے۔ کاؤنٹر سونا پڑا تھا۔ وہ گون پہنے ہوئے منیجر کے کمرے کی طرف مڑا۔ آفس بھی بند تھا، لیکن منیجر کے کمرے کے دروازے کی جھانکنے والی چھوٹی کھڑکی کے شیشے سے اندر روشنی نظر آ رہی تھی۔ وہ دبے پاؤں اس کے دروازے پر پہنچ کر رک گیا اور پنجوں کے بل اونچا ہو کر اس شیشے سے اندر جھانکنے لگا اور وہ حیرت سے چونک پڑا۔ منیجر بیدار تھا اور اکیلا نہ تھا۔ وہاں ایک لڑکی بھی نیم عریاں لباس میں موجود تھی اور وہ کیٹی تھی۔ ان کے چہرے کے تاثرات ملتے ہوئے ہونٹ دیکھ کر یہ اندازہ کرنا مشکل نہ تھا کہ وہ کسی سنجیدہ گفتگو میں مصروف تھے۔ کیٹی کا اتنی رات گئے یہاں موجود ہونا بے معنی نہیں ہو سکتا تھا۔ دروازے کے نچلے حصے میں بند پٹوں کے نیچے بہت خفیف سی دروازے سے روشنی نظر آتی تھی اور صرف یہی ایک وسیلہ تھا جس سے وہ ان کی آوازیں سن سکتا۔ وہ دروازے سے لگ کر فرش پر لیٹ گیا اور اپنا کان اس دراز سے چپکا کر اندر کی گفتگو سننے لگا۔ کیٹی کہہ رہی تھی۔

''اسے خبر مل چکی ہے کہ کچھ لوگ یہاں اس کے خلاف کام کر رہے ہیں۔''

''مجھے بھی ہر نئے آدمی پر نظر رکھنے کی ہدایت مل چکی ہے اور مجھے کچھ کچھ پھر اس مسٹر نامی پر شبہ ہونے لگا ہے۔'' منیجر کہہ رہا تھا۔

''مجھے تو وہ بے ضرر گدھا معلوم ہوتا ہے۔'' کیٹی ہنس پڑی۔

''ہاں، مگر ایک موٹا سا غصہ ور قسم کا آدمی اس سے یہاں ملنے آیا تھا اور جب میرے آدمی نے اس کا پیچھا کیا تو وہ اچانک راستے سے غائب ہو گیا۔'' منیجر نے بتایا۔

''تم کہہ لو، مگر مجھے تو وہ کریک ہی بنظر آتا ہے۔''

''اسے تم سے عشق بھی تو ہو گیا ہے۔''

''میرے عاشقوں کی فہرست بڑی لمبی ہوتی جا رہی ہے۔''

''تمہیں میرا نام بھی ان میں شامل کرنا پڑے گا۔'' منیجر مسکرایا۔

''کیا مطلب؟'' وہ سنجیدہ ہو گئی۔

''کیا مطلب بتائے بغیر نہیں سمجھا جا سکتا؟'' منیجر کی آنکھوں میں جنسی بھوک پیدا ہونے لگی۔

''تم بھول رہے ہو کہ آرگنائزیشن میں میری پوزیشن کیا ہے۔'' کیٹی نے لہجے کو سخت کرتے ہوئے کہا۔

''یہ ذاتی معاملہ ہے، اور میں سردار اسمٰعیل نہیں ہوں جسے تمہاری آرزو میں ساری دولت.... کے حوالے کر کے خودکشی کرنی پڑی۔'' منیجر کا لہجہ طنزیہ تھا۔

''یہ نہ بھولو کہ سپریمو کی نظریں شہر کے چپے چپے پر پھیلی ہوئی ہیں۔'' کیٹی نے حقارت سے کہا۔

''اسے اتنی فرصت نہیں کہ وہ ایسے چھوٹے چھوٹے ذاتی معاملات میں الجھے۔'' یہ کہہ کر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ شیطنیت اب اس کی آنکھوں میں پوری طرح بیدار ہو چکی تھی۔

Akram Allahabadi

''تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہوگیا ہے؟'' کیٹی پریشان لہجے میں بولی۔

''تمہیں دیکھ کر کس کا دماغ خراب نہ ہوگا۔یہ پاگل بنا دینے والا حسن، ہیجان خیز شباب، نہیں کیٹی، تم رات کی اس تنہائی میں جسکے پاس ہو وہ فرشتہ بھی ہو تو خود پر قابو نہ پا سکے گا۔'' منیجر یہ کہہ کر آگے بڑھنے لگا۔

''خبردار، آگے مت بڑھو۔'' کیٹی نے اپنے پرس سے اچانک ایک چھوٹا سا پستول نکال لیا۔

''اوہ، یہ پٹاخے میرے جذبات کے طوفان کو نہ روک سکیں گے۔'' یہ کہہ کر اس نے جست کی اور کیٹی کا پستول والا ہاتھ تھام لیا۔وہ فائر بھی نہ کر سکی۔

''بیوقوف لڑکی، ذرا سا شور بھی تمہیں بدنام کر دے گا، عقلمندی یہی ہے کہ اس راز کو راز رہنے دو۔اور پھر ایک رات سے تمہارا بگڑے کا بھی کیا؟'' وہ اس کے دونوں ہاتھوں کو اپنی گرفت میں لے کر اسے زبردستی اپنی طرف گھسیٹنے لگا۔

''زبردستی اچھی نہیں ہوتی، حیدر۔'' وہ بے بسی سے بولی۔

''زبردستی میں جو لطف ہے وہ آپ سے آپ مل جانے میں بھی نہیں۔'' یہ کہہ کر وہ وحشیوں کی طرح اس کے رخساروں کو کاٹنے لگا۔

''کمینے، حرمی، سور۔'' کیٹی نے اپنی پوری طاقت سے اس پر مکوں کی بارش کر دی، مگر منیجر پر تو اس وقت شیطان سوار تھا۔اس نے اسے اپنی آغوش میں کھینچ کر اس زور سے دبایا کہ اس کی ہڈیاں چرچرا اٹھیں۔وہ مایوس اور بھرائی ہوئی آواز میں چیخ اٹھی۔

''ارے کوئی بچاؤ مجھے۔''

دروازے پر دستک ہوئی اور منیجر چونک پڑا۔اس نے خونخوار نظروں سے کیٹی کی طرف دیکھا۔اس کا پستول وہ چھین چکا تھا۔

''چاہے وہ سپریمو کا آدمی ہی کیوں نہ ہو، میں آج ہر قیمت پر تمہیں حاصل کر کے

رہوں گا۔" منیجر غرایا۔ دستک دوبارہ سنائی دی۔

منیجر نے پستول ہاتھ میں سنبھال کر جھٹکے سے دروازہ کھولدیا اور آنے والا اوندھے منہ اندر گر پڑا۔

"نانسنس، یہ کیا طریقہ ہے کسی کو اندر بلانے لگا؟" وہ اٹھتے ہوئے بڑبڑایا۔ اور اس نامی قسم کے آدمی کو اس وقت اس حالت میں یہاں دیکھ کر اس کا پارہ چڑھ گیا۔

"آدھی رات کو دروازہ کھٹکھٹانے کی اس حماقت کا مطلب؟" منیجر نے جھنجلا کر کہا۔

"میں پوچھتا ہوں آپ کا ہوٹل ہے یا پاگل خانہ؟" بالے نے فرش پر سے اٹھتے ہوئے کہا۔ کیٹی اس وقت خموشی سے ایک طرف کھڑی ہوئی تھی۔

"آپ کو کہنا کیا ہے، جلدی کہیے؟"

"کیا خاک کہوں۔ میں پوچھتا ہوں یہ کاغذ کیسا رکھا گیا تھا میرے کمرے میں؟" بالے نے لڑنے والا لہجہ اختیار کر لیا۔ "یہ کیا مذاق ہے آخر؟" اس نے وہ ہینڈ بل اس کے سامنے ڈالدیا۔

"میں پوچھتا ہوں مجھے کیوں الٹا لٹکنا چاہیے اور یہ ہینڈ بل میرے کمرے کی میز پر کیسے پہنچا؟" وہ پوچھنے لگا۔

"جناب، ہمارے بلیٹن اور ایسے اعلانات ہر کمرے میں صفائی کے بیرے میزوں پر رکھ دیتے ہیں تاکہ ہمارے گاہک ان سے استفادہ حاصل کر سکیں۔"

"یعنی چمگادڑ کی اولاد ہونے کا شرف حاصل کر سکیں؟"

"یہ آپ کی مرضی پر منحصر ہے۔"

"اور آپ الٹے کیوں نہیں لٹکے؟"

"یہ میری مرضی پر منحصر ہے۔"

"تو یہ بھی میری مرضی پر منحصر ہے کہ میں تمام رات آپ کا دروازہ پیٹتا رہوں۔"

Akram Allahabadi

''آپ یہ شکایت صبح بھی کر سکتے تھے۔''

''جی نہیں، مجھ سے یہ حماقتیں برداشت نہیں ہوتیں۔''

''تو صبح آپ ہوٹل چھوڑ سکتے ہیں۔''منیجر جھنجلا گیا۔''اس وقت یہاں سے تشریف لے جایے۔''منیجر نے لہجے کو انتہائی روکھا بنا لیا اور اس وقت بالے نے اچانک کیٹی کو دیکھ کر ایسی حیرت کا مظاہرہ کیا جیسا ابھی تک اسے یہاں کسی اور کے وجود کا احساس بھی نہ رہا ہو۔

''ارے، آپ بھی یہاں موجود ہیں؟ یعنی اس وقت؟''وہ بیوقوفوں کی طرح پلکیں جھپکاتا ہوا اس کی طرف بڑھا۔

''میں اپنا پرس یہاں ہوٹل میں بھول گئی تھی، سوچا منیجر صاحب نے اپنے پاس رکھ لیا ہوگا، لینے چلی آئی۔''کیٹی جھوٹ بولی۔

''اور آپ اکیلی گھر جائیں گی؟''اس نے حیرت سے پوچھا۔

''کیوں؟ اس میں کیا ہوا؟''اس نے نا لئے کیلیے کہا۔

''بہت کچھ ہو سکتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہیں کوئی بھیڑیا آپکی تاک میں بیٹھا ہو، یا کہیں کوئی اٹھائی گیرا آپ کو اٹھا لے جائے۔ میرا مطلب ہے پریشان کرے۔''وہ اتنی معصومیت سے بولا کہ اس قدر خراب موڈ میں بھی کیٹی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔

''مسٹر، آپ کو فکر کرنے کی ضرورت نہیں، میں ان کی مدد کر سکتا ہوں۔''منیجر نے بگڑے ہوئے موڈ سے کہا۔

''شٹ اپ۔''کیٹی نے اسے ڈانٹ دیا۔

''سن لیا آپ نے۔''بالے اسے اور چڑانے لگا۔''آپ معتوب بارگاہِ حسن ہیں۔''

''تم اپنا کام کرو۔''منیجر نے اسے ڈانٹا۔

''اے مسٹر منیجر، میں کوئی آپ کا بیرا بٹلر نہیں ہوں، جو آپ کام کرنے کی ہدایت

فرما رہے ہیں۔ میں ازالۂ عرفی کا دعویٰ کر کے آپ کے بھٹیار خانے کو گدھوں کا اصطبل بنوا دوں گا، آں۔'' بالے بھی یہ کہہ کر اپنی آستین چڑھانے لگا۔

''ارے کوئی ہے؟'' منیجر نے آواز دی۔

''کوئی نہیں ہے۔ سب چمگادڑی خواب کے مزے لے رہے ہیں اور میرا نیک مشورہ یہ ہے کہ آپ بھی الٹے لٹک کر توبہ استغفار فرمایئے۔ چلیے، مس کیٹی، میں آپکے دولت کدے تک چھوڑ آؤں۔'' بالے نے پیشکش کی۔

''کیا اسی طرح؟ اس گون اور سلیپر میں؟''

''اوہ، میں تو بھول ہی گیا تھا، اچھا، میں ایک منٹ میں کپڑے بدل کر آیا۔'' بالے نے یہ کہہ کر ایک نظر منیجر پر ڈالی اور باہر نکل کر کچھ دور تک قدموں کی آہٹ کرتا ہوا چلا گیا، لیکن گیلری کے دوسرے سرے تک پہنچتے ہی رک گیا اور پنجوں کے بل واپس آ گیا۔

کیٹی کہہ رہی تھی۔ ''میں تمہیں اس بدتمیزی کا مزہ ضرور چکھاؤں گی۔''

''مجھ سے غلطی ہوئی، کیٹی، غصہ تھوک دو۔ ہمیں اس وقت اس آدمی کی مداخلت پر غور کرنا چاہیے۔ ہمیں اس کے متعلق اب اپنا نظریہ بدلنا ہی ہوگا۔''

''اب انسانوں جیسی بات کرنے لگے۔''

''اس کا اس طرح آدھی رات کو یہاں چلے آنا مصلحت سے خالی نہیں ہو سکتا۔'' منیجر نے کہا۔

''میں تو اسے اتفاق ہی سمجھتی ہوں۔ وہ اتنا بزدل آدمی ہے کہ اس دن تین بدمعاشوں نے اس کی خاصی مرمت کر دی تھی۔'' وہ بتانے لگی۔

''وہ تینوں اب بھی تمہارے پیچھے پڑے ہیں؟'' منیجر نے پوچھا۔

''مگر وہ تو تفریحاً ایسا کرتے ہیں، جرائم پیشہ افراد نہیں ہیں۔'' وہ بولی۔

''وہ اکثر تمہارا پیچھا کرتے رہتے ہیں اور خطرناک بھی ثابت ہو سکتے ہیں۔''

''میں کوئی چینی گڑیا نہیں ہوں۔''

''بات یہیں تک ہو پائی تھی کہ اچانک ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے لگی۔منیجر نے ہی رسیور اٹھایا۔

''ہیلو۔''وہ بولا اور دوسرے لمحے اس کا لہجہ بدل گیا۔''یس باس، میں ہی ہوں۔''

''کیٹی کا پتا نہیں ہے؟''دوسری طرف سے پوچھا گیا۔

''وہ یہیں ہے، باس۔''

''اس وقت؟ خیر، اسے بلاؤ۔''ادھر سے کہا گیا اور منیجر کا چہرہ سوالیہ نشان بن گیا۔

منیجر نے رسیور کیٹی کے ہاتھ میں دیدیا، لیکن وہ کسی خیال سے خوفزدہ سا نظر آنے لگا تھا۔کیٹی نے جیسے ہی رسیور کان سے لگایا، منیجر نے دراز سے پستول نکال لیا۔

''اگر تم نے ایک لفظ بھی میرے بارے میں کہا تو میں بے دریغ گولی مار دونگا۔''اس نے دور ہٹ کر کیٹی سے کہا، مگر خلاف توقع وہ مسکرا دی۔

''یس باس۔''اس نے کھنکتی ہوئی آواز میں کہا۔

''وہ آدمی اب مشکوک لوگوں کی لسٹ میں آ گیا ہے۔اس کا یہاں لایا جانا ضروری ہے۔''

''یو مین ویٹ مسٹر نامی؟''کیٹی نے پوچھا۔

''آف کورس۔''

''او کے، باس۔''

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو گیا۔کیٹی نے منیجر کی طرف دیکھا۔وہ اپنا پستول دراز میں ڈال چکا تھا۔

''تمہارا خیال صحیح نکلا، مسٹر نامی کو بلایا گیا ہے۔''

''یہ تو بہترین موقع ہے، وہ تمہیں چھوڑنے جانا چاہتا ہے۔''

Akram Allahabadi

''ٹھیک ہے۔''وہ مسکرادی۔''آنے دو۔''

بالے اسی قدر سن سکا اور تیزی سے پنجوں کے بل چلتا ہوا راہداری سے نکل کر سیڑھیاں چڑھتا ہوا اوپر پہنچ گیا۔وہ جب واپس آیا،منیجر نے اس کے کیٹی کے ساتھ جانے پر کوئی رکاوٹ پیدا نہیں کی۔

کیٹی کی کار باہر موجود تھی اور دروازے پر ہوٹل کا دربان موجود تھا۔اس نے کیٹی کو باہر آتے دیکھ کر جلدی سے دروازہ کھول دیا۔بالے کیٹی کی برابر والی سیٹ پر ہی بیٹھا تھا اور وہ خود کار ڈرائیو کر رہی تھی۔

ان کی کیار ابھی مین روڈ کو کراس ہی کر رہی تھی کہ کیٹی سائڈ مرر میں کسی ٹیکسی کا عکس دیکھ کر چونک پڑی۔

''کوئی ہمارا پیچھا کر رہا ہے۔''اس نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

''تو کرنے دیجیے،سڑک سرکاری ہے۔''وہ لاپرواہی سے بولا۔

''آج کچھ زیادہ بہادر نظر آرہے ہیں آپ؟''کیٹی نے اس پر طنز کیا۔

''بہادری انسان کا پیدائشی حق ہے۔''

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

بزدل

وہ کار کی رفتار تیز کر کے پیچھے آتی ہوئی ٹیکسی کو ڈاج دینے لگی، لیکن سڑکوں کی ویرانی خود ایک رکاوٹ تھی۔ دور سے بھی ان کی کار نظر آجاتی تھی۔ وہ ٹیکسی کافی تیز رفتار سے دوڑ رہی تھی، یہاں تک کہ ایک موڑ پر اس نے کیٹی کی کار کو جالیا۔ کیٹی نے جھنجلا کر اپنی کار روک دی۔ وہ ٹیکسی بریک لگاتے آگے نکل گئی۔ اور جب وہ رکی تو اس میں سے وہی تین آدمی اترے جن میں سے دو کے چہرے بالے ہوٹل میں اس دن دیکھ چکا تھا۔ انھوں نے کیٹی کی کار کو گھیر لیا۔ کیٹی انھیں پہچان چکی تھی، لیکن اس وقت ان کے تیور کچھ بدلے ہوئے نظر آرہے تھے۔

''کیا بدتمیزی ہے یہ؟'' کیٹی ان پر بگڑ گئی۔

''اب آج تو ہو کر ہی رہے گی یہ بدتمیزی۔'' ان میں سے ایک آگے والا تندرست نوجوان خوفناک انداز میں مسکرایا۔

''اور یہ تیس مار خاں آج بھی موجود ہے۔'' دوسرے نے بالے کی طرف دیکھ کر کہا۔

''باپ رے، پھر پھنسے۔'' بالے نے مصنوعی خوف اختیار کیا۔

''اے، تم نیچے آؤ۔'' اس نے بالے کو حکم دیا۔

''آتا ہوں، آتا ہوں۔'' بالے نے یہ کہہ کر بے بسی سے کیٹی کی طرف دیکھا اور کیٹی نے غصہ و نفرت سے منہ پھیر لیا۔ وہ ڈرتے ڈرتے کار سے اتر گیا۔ ان میں سے ایک آدمی نے ایک کھلا چاقو بالے کے کان کے پاس گردن سے لگا دیا۔

''اس سے تمہارا پیٹ پھاڑ دیا جائیگا، اگر تم نے آواز بھی نکالی۔'' اس نے بالے کو دھمکی دی۔

''نہیں، بھائی صاحب، میری کیا مجال ہے۔'' بالے کانپ کر بولا اور وہ مسکرانے

Akram Allahabadi

لگا۔

''بزدل۔'' کیٹی دانت پیسنے لگی۔اس نے اپنا پرس اٹھانا ہی چاہا تھا کہ ایک نوجوان نے جھٹکے سے اس کا پرس چھین لیا اور اسے کھول کر دیکھنے لگا۔

''اوہ ہو، اس میں تو ایک ننھا سا پستول بھی ہے۔'' وہ اپنے سب ساتھیوں کو دکھانے لگا۔

''کیوں نہ ہو، جیسی نرم و نازک خود ہیں، ویسا ہی پستول بھی رکھا ہے۔''

''اب آپ بھی اتر آیئے، محترمہ۔کب سے تڑپا رہی ہیں آپ ہمیں۔'' سب سے آگے والے نے اس کی ٹھوڑی کو ہاتھ لگا کر مسکراتے ہوئے کہا۔اس کے دوسرے ہاتھ میں ۹ انچ کا کھلا چمکدار چاقو تھا۔

کیٹی چاہتی تھی کہ کار کے ہارن کی طرف ہاتھ بڑھائے کہ چاقو کی نوک اس کی گردن میں چبھنے لگی۔اس نے ہاتھ کھینچ لیا۔ایک آدمی نے دروازہ کھولا اور دوسرے نے اسے بازو سے تھام کر گھسیٹا۔

''اس کا کیا کرو گے؟'' ان میں سے ایک نے بالے کے بارے میں ساتھیوں سے پوچھا۔

''مجھے چھوڑ دو، بھائیو، میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟'' بالے نے گھگیا کر کہا۔

''نہیں، یہ جا کر پولیس کو خبر کر دے گا، اسے بھی لے چلو۔دیکھا جائیگا۔'' وہ بولا۔

''چل بے، بیٹھ ٹیکسی میں۔'' اس نے بالے کو گاڑی میں دھکیلا اور پھر کیٹی کو بھی اندر دھکیل کر اس کے پاس ہی بیٹھ گیا۔اس کے دونوں ساتھ آگے بیٹھ گئے اور ایک ٹیکسی ڈرائیو کرنے لگا۔

''تم تو بہت بہادر آدمی تھے نا؟'' کیٹی نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

''تھا تو، مگر میں شریف آدمی ہوں اور یہ لوگ چاقو مار کہ معلوم ہوتے ہیں۔'' بالے

Akram Allahabadi

نے ڈرتے ہوئے لہجے میں کہا۔

''ہونہہ، بزدل، نامردے۔'' کیٹی نے اس کی طرف دیکھ کر حقارت سے کہا۔

''اب نامزد کیجیے یا انتخاب کیجیے، میں خطرناک آدمیوں سے تو ٹکرا نہیں سکتا۔'' بالے نے ڈھٹائی سے کہا۔

''اوہ، تم سب کمینے ہو، بے شرم۔''

''چپ بیٹھو لڑکی، تمہاری اداؤں نے ہی ہمیں پاگل بنا کر اس حرکت پر مجبور کیا ہے۔ نہ تم ہمیں ترساتیں نہ بات یہاں تک پہنچتی۔ اب تو جو بھی ہو جائے، آج کی رات تو تم ہماری مہمان ہوگی۔'' اس آدمی نے اس کے حسین چہرے کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہائے پارٹنر، جی چاہتا ہے بس۔'' آگے بیٹھے ہوئے آدمیوں سے ایک پلٹ کر کیٹی کے جسم کو بھوکی نظروں سے دیکھتے ہوئے کچکچا کر بولا۔

''شٹ اپ۔'' کیٹی چیخ اٹھی۔

''ہے ہے، یہی ادائیں تو قتل کیے ڈالتی ہیں، کیا رات گزرے گی آج کی۔ کیوں بے مخچو؟'' پاس والا شراب کی سی چسکی لے کر بالے کے سر پر دھول جماتے ہوئے بولا۔

''ہاں ہاں، اس میں کیا شک ہے، اس میں کیا شک ہے۔'' بالے نے احمقوں کی طرح ہاں میں ہاں ملائی اور وہ ہنس دیے۔ وہ کیٹی کو آنکھوں ہی آنکھوں میں کھا جانے والی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ پاس بیٹھے ہوئے آدمی نے چاقو کی نوک اس وقت بھی کیٹی کی گردن سے لگا رکھی تھی۔ دوسرے ہاتھ سے اس نے کیٹی کے بالوں کو اپنی مٹھی میں کس کر سونگھا اور ایک لمبی سانس کھینچ کر ہنسنے لگا۔ کیٹی نے غصے میں پہلو بدلنا چاہا، مگر چاقو کی نوک اور چبھنے لگی اور وہ بے بس ہو گئی۔

''یار شمبو، سنا ہے اینگلو انڈین لڑکیاں بڑی مزے دار ہوا کرتی ہیں؟'' کار ڈرائیو کرنے والے نے ساتھی سے اس کی طرف دیکھے بغیر پوچھا۔

Aram Allahabadi

''نائی جی، نائی جی، بال کتنے، آج چکھ کر دیکھ لینا۔'' اس کے ساتھی نے جواب دیا۔

''سن رہے ہو سب؟'' کیٹی نے بالے کو غیرت دلانے کیلیے ایک بار اور مخاطب کیا۔

''ہاں، مگر آپ تو اس طرح سنا رہی ہیں جیسے میں آپ کا شوہر نامدار ہوں۔''

''اوہ، بے شرم، کمینے۔'' وہ پھر دانت پیسنے لگی۔

''بھائی، ذرا ان محترمہ کو تم ہی سمجھاؤ۔ بھلا میں تم لوگوں کے مقابلے میں ان کیلیے کیا کر سکتا ہوں؟ فضول مجھ پر غصہ کر رہی ہیں۔'' بالے نے آگے والے آدمی سے لجاجت سے کہا۔

''تم چپ بیٹھو جی۔'' اس نے بالے کو ہی ڈانٹ دیا۔ ''یہ اگر کہہ دیں تو ہم تمہیں قتل بھی کر سکتے ہیں۔'' مگر کیٹی نے بھی خموشی سادھ لی۔

ٹیکسی ایک گندی سی بستی میں داخل ہو کر ایک کچے سے مکان کے سامنے رک گئی۔ گلی میں بالکل سناٹا تھا۔ تمام مکانوں کے دروازے بند تھے اور اس گھر کے دروازے پر بھی قفل چڑھا ہوا تھا۔ ان میں سے ایک نے تالا کھولا اور اندر جا کر روشنی کر دی۔ وہ انھیں چاقو کی نوک پر ٹیکسی سے اتار کر اندر لے گئے اور دروازہ اندر سے بند کر لیا۔

''اے، تم اس کونے میں بیٹھ جاؤ۔'' ان میں سے ایک تگڑے قسم کے نوجوان نے بالے سے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

''کہاں؟ یہاں؟'' بالے خود ہی جگہ تلاش کرتا ہوا ایک اندھیرے کونے میں کسی ڈرپوک گنوار کی طرح دبک کر بیٹھ گیا۔

''تم لوگ آخر کیا چاہتے ہو مجھ سے؟'' کیٹی نے پر احتجاج لہجے میں کہا۔

''تمہارا یہ کندن جیسا پر شباب جسم، صرف ایک رات کیلیے۔'' وہ آدمی حریصانہ نظروں سے اس کے سراپا کو گھورتا ہوا بولا۔ کمرے میں ایک پلنگ پڑا تھا، ایک میز تھی جس کے گرد چار کرسیاں پڑی تھیں اور میز پر شراب کی دو بوتلیں اور تین گلاس بھی رکھے تھے۔۔ ویسے یہ

کمرہ کافی کشادہ تھا۔

''اور تم نے اس کا انجام سوچا ہے کہ صبح کیا ہوگا؟''

''جیل جائیں گے، پھانسی چڑھائے جائیں گے، یہی نا؟ ہائے، اس حسن اور اس جوانی کی یہ قیمت بھی مہنگی نہیں، کیوں پارٹنر؟'' وہ اپنے ساتھی سے یہ کہہ کر ہنس پڑا۔

''مگر ہم تمہاری لاشوں کو اسی گھر میں دفن کر دینے کا انتظام کر چکے ہیں۔'' دوسرے نے کسی قدر خوفناک لہجے میں کہا اور کیٹی لرز اٹھی۔ اس کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ وہ اس صورت حال کی نوعیت سے آگاہ ہو کر نروس ہو گئی اور جس وقت ان میں سے ایک نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنی طرف گھسیٹا تو اس کی چیخ نکل گئی۔

''اے بھائی صاحب۔'' کونے سے بالے کی کانپتی ہوئی آواز آئی اور وہ اٹھ کر قریب آنے لگا۔

''کیا ہے، بے چو ہے؟'' پہلے نے ڈانٹتے ہوئے اس سے پوچھا۔

''کیا اور کوئی نہیں آئے گا؟ یعنی تم تین ہی ہو؟'' بالے نے اس کے قریب آ کر پوچھا۔ یہ سوال اس کی سمجھ میں نہیں آیا۔

''ہاں، ہم تین ہی ہیں، کیوں؟'' وہ اینٹھتی ہوئی آواز میں بولا۔

''اچھا اگر چار ہوتے تو کیا کر لیتے؟'' وہ بڑی سادگی سے بولا۔

''کیا مطلب؟''

''مطلب یہی کہ دو چار اور ہوں تو بلا لو۔'' بالے نے عجیب سے لہجے میں کہا اور اس کے اس بدلے ہوئے لہجے پر کیٹی خود چونک کر اس کی شکل دیکھنے لگی۔

''یہ کیا بک رہا ہے سالا۔'' پیچھے سے ان کے تیسرے ساتھی نے اکڑی ہوئی آواز میں پوچھا۔ وہ قریب آنے لگا۔

''بکتا نہیں، بیٹے، فرما رہا ہوں۔'' یہ کہہ کر بالے نے پلٹ کر ایک ہاتھ اس زور سے

اس کے منہ پر مارا کہ وہ دیوار سے جا ٹکرایا۔

''اخاہ، بی مینڈ کی بھی نال ٹھکوانے چلی ہیں۔'' دوسرا چاقو لے کر بالے پر جھپٹا، لیکن اس سے بچ کر بالے نے اس زور سے اس کے پیٹ پر لات ماری کہ وہ اوندھا فرش پر گرا۔ تیسرا اس کے اوپر ہی آ کودا، دو گھونسوں میں ہی وہ جبڑے پکڑ کر چلانے لگا۔ کیٹی یہ منظر حیرت سے دیکھ رہی تھی۔

''ارے، آؤ نا بہادرو، ذرا شرم رکھو اپنی۔ آؤ... آؤ...'' بالے انھیں بلانے لگا۔ مٹی مسکرا دی۔ وہ باری باری اس پر اچھل اچھل کر حملے کرتے رہے اور ہر بار زمین چاٹنے لگتے۔ تقریباً دس منٹ تک یہ لڑائی جاری رہی، اس کے بعد ان میں سے کسی میں اتنی سکت نہ رہی کہ وہ زمین سے اٹھ سکتا۔

''بس، ارے اور بڑھو نا، دیکھو، میں اکیلا ہوں، بلکہ لو دروازہ کھولے دیتا ہوں، دو چار کو اور بلا لو۔'' یہ کہہ کر اس نے دروازہ بھی کھول دیا، مگر کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ اپنی جگہ سے اٹھے۔

''ارے واہ، تم تو بہت بہادر نکلے۔'' کیٹی نے اس کی تعریف کی۔

''بس یونہی دو ہاتھ جما لیتا ہوں۔''

''مگر تم نے وہیں ان بدمعاشوں سے چھٹکارا کیوں نہیں حاصل کر لیا تھا؟''

''میں دیکھنا چاہتا تھا کہ یہ لوگ کتنے پانی میں ہیں۔''

''میں تمہارا شکریہ ادا کرتی ہوں۔''

''کیا ان لوگوں کو پولیس کے حوالے کر دیا جائے؟''

''نہیں، جانے دو، اتنا ہی سبق کافی ہے۔''

وہ باہر نکل آئے۔ وہ ٹیکسی ابھی تک اس مکان سے کچھ دور پر کھڑی ہوئی تھی۔ بالے نے اس آدمی سے جو ٹیکسی یہاں تک چلا کر لایا تھا، چابی چھین لی، لیکن جس وقت وہ کیٹی کو ٹیکسی میں چڑھا کر خود سوار ہو رہا تھا، اگر ایک مدھم سایہ اسے چونکا نہ دیتا تو وہ چاقو اس کی پیٹھ میں اتر

Akram Allahabadi

گیا ہوتا، جو پیچھے سے پھینکا گیا تھا۔ وہ پلٹ کر جھپٹا اور اس نے جیب سے اپنی پین ٹارچ نکال لی۔ یہ حرکت ان تینوں میں سے تو کسی کی نہ تھی۔ کیونکہ وہ تینوں اس مکان سے نکل کر لڑکھڑاتے اسی طرف آرہے تھے۔ اور کسی نے چھپ کر یہ حرکت کی تھی۔ وہ صرف اس سائے کی جھلک دیکھ سکا تھا اور وہ سایہ اس تنگ گلی کے اور زیادہ تنگ و تاریک راستوں والے مکانوں کے درمیان ہی کہیں غائب ہوا ہوگا۔

''یہ چاقو کس نے پھینکا تھا مجھ پر؟'' اس نے ان تینوں سے سوال کیا۔

''ہم میں سے کسی نے نہیں پھینکا۔ ہم تو آپ لوگوں سے معافی مانگنے آرہے تھے۔ ہم سے بہت گری ہوئی حرکت سرزد ہوئی ہے۔'' ان میں سے ایک نے اپنے ساتھیوں کی ترجمانی کی۔

''جو ہو گیا سو ہو گیا، لیکن اب نہ ہونا چاہیے۔'' بالے یہ کہہ کر پلٹ آیا۔

''تمہاری ٹیکسی وہیں چھوڑ دی جائے گی جہاں تم نے وہ کار چھوڑی ہے۔'' اس نے دور سے ہی کہا اور اس چاقو کو اٹھاتا ہوا ٹیکسی میں بیٹھ گیا۔ اس نے ان تینوں کے چاقو دیکھے تھے، یہ چاقو ان سے مختلف تھا، لمبا اور پتلا تھا۔ اور ایسے چاقو بالعموم دور سے نشانہ مارنے میں استعمال کیے جاتے ہیں۔

کون تھا؟ کیا بات تھی؟'' کیٹی پوچھنے لگی۔

''کچھ نہیں، کسی بزدل نے چھپ کر مجھ پر چاقو کھینچ مارا تھا۔'' بالے نے لاپرواہی سے کہا اور ٹیکسی اسٹارٹ کر دی۔

''اوہ۔'' وہ یہ کہہ کر کسی سوچ میں پڑ گئی۔

''تم اب کہاں چل رہے ہو؟'' اس نے کچھ دیر بعد خود ہی بالے سے پوچھا۔

''آپ کو چھوڑنے۔''

''مجھے صرف میری کار تک چھوڑ دو، میں چلی جاؤں گی۔'' وہ بدلے ہوئے لہجے میں

بولی۔

''اور جو پھر کسی نے کار روک لی تو؟ نہیں محترمہ، میں آپ کو مصیبت کے حوالے کر کے اپنی جان عذاب میں نہیں ڈالنا چاہتا۔ سنا ہے آپ کے خواستگاروں کی فہرست بہت لمبی ہے؟''

''لیکن میری مصیبت سے تمہیں کیا مصیبت ہوگی؟''

''واہ، تو کیا عشق یونہی کیا ہے، یعنی بس دیکھنے کیلیے۔''

''تو کیا میرے باڈی گارڈ بننا چاہتے ہو؟'' وہ مسکرا دی۔

''یہ جملہ ذومعنی ہے۔'' بالے بھی یہ کہہ کر مسکرا دیا۔

''تم اتنے بیوقوف نہیں ہو جس قدر میں سمجھتی تھی۔''

''مرد بالعموم عورتوں کے سامنے احمق ہی ہو جایا کرتے ہیں۔''

''خیر، میں تمہارے بارے میں غور کروں گی، بشرطیکہ تم وعدہ کرو کہ تاوقتیکہ میں خود تم سے ملنا نہ چاہوں، تم مجھ سے ملنے کی کوشش نہ کرو گے۔''

''یہ پابندی کیوں؟''

''مجھ سے سوالات نہ کرو، صرف وعدہ کرو۔'' یہ کہتے ہوئے اس کا لہجہ کسی قدر فکرمند سا ہو گیا۔

''اگر آپ مجھ سے اتنی ہی بیزار ہیں تو میں وعدہ کرتا ہوں۔'' بالے کسی قدر فکرمند سا ہو گیا۔

''غلط نہ سمجھو، اسی میں تمہاری بہتری ہے۔'' کیٹی نے سمجھانے کے انداز میں کہا۔

''تو کیا آپ آج مجھے اپنے باس کے پاس بھی نہیں لے چلیں گی؟'' بالے نے بڑی معصومیت سے کہا اور وہ اس جملے پر اس بری طرح اچھل پڑی جیسے کسی بچھو نے ڈنک مار دیا ہو۔

''کیا بک رہے ہو تم؟'' اس کا لہجہ بدل گیا۔

Akram Allahabadi

''وہی جو مجھے بکنا چاہیے۔ میں نہیں چاہتا میری ہمدردی میں آپ اپنے باس کے عتاب کا شکار ہوں۔''

''میرا کوئی باس نہیں ہے۔'' وہ جھنجلا اٹھی۔ ''تم نے شاید اس خبطی منیجر کی باتیں چھپ کر سنی ہونگی۔'' اس نے بات بنانی چاہی۔

''میں تو دخل بھی نہ دیتا، اگر آپ کی عزت خطرے میں نہ ہوتی۔ مگر خیر، تیکیاں اس لیے نہیں کی جاتیں کہ ان کا اجر ملے، آپ مجھے اپنے باس کے پاس لے چلیے۔''

''تم ہو کون آخر؟''

''یہ آپ کا باس ضرور جانتا ہوگا۔''

''وہ سب کچھ جانتا ہے، مگر میں تم سے پوچھتی ہوں؟''

''میں اس کے دشمنوں میں سے ایک ہوں۔''

''اس کے کوئی دشمن نہیں ہیں۔''

''نہ سہی، میں تو ہوں۔''

''وجہ؟''

''بس اسی طرح جس طرح وہ میرا دشمن ہے۔''

''یہ کیسے جان لیا تم نے؟''

''ابھی ابھی مجھ پر جو چھپ کر حملہ کیا گیا تھا، اس کا مقصد مجھے ختم کرنا تھا اور محترمہ، دراصل یہ تین بدمعاش بھی اسی کے آلۂ کار ہیں اور آج جو کچھ ہوا ہے، وہ ایک جانی بوجھی اسکیم تھی۔'' بالے نے سنجیدگی سے کہا۔

''بخدا مجھے کچھ علم نہیں، مجھے تو صرف تمہیں اس تک لیجانے کی ہدایت دی گئی تھی۔''

''یہ تین گرگے آپ کو لاعلمی میں رکھ کر اس لیے آپ کے پیچھے لگائے گئے ہیں تاکہ اگر کوئی آپ کی نگرانی یا آپ کا پیچھا کرے تو یہ رقابت کی آڑ لے کر اس کا خاتمہ کردیں۔'' بالے

نے کہا۔

''تم بہت چالاک معلوم ہوتے ہو۔''

''جب انھوں نے پہلی بار مجھے پکڑا تھا ہوٹل کے باہر، میں تب ہی سمجھ گیا تھا، لیکن وہ حرکت مجھے محض آپ کے اور اس سگار باز کے تعاقب سے باز رکھنے کیلیے کی گئی تھی۔'' بالے نے کہا۔ ''اور یہ سب کچھ آپ کے علم میں بھی نہ ہوگا۔''

''میں سچ کہتی ہوں، مجھے معلوم نہیں۔''

''میں یقین کیے لیتا ہوں، مگر اب آپ مجھے اس کے پاس لے چلیے۔''

''نہیں، اب میں نہیں چاہتی کہ تم پاگل پن کی موت مرو۔''

''اور اب سے پہلے چاہتی تھیں؟''

''ہاں۔''

''کیوں؟''

''بس میری خوشی۔''

''میں بتاؤں۔''

''کیا؟''

''اب آپ کو مجھ سے عشق ہو چلا ہے۔''

''اس غلط فہمی میں نہ پڑنا، میں تمہارے اس جذبے کی قدر کر رہی ہوں کہ تم مجھے بچانے کیلیے دو جگہ مصیبت میں کود پڑے تھے۔''

''احسان اتار رہا ہے؟''

''ہُم۔''

''تو پھر وہی کر دیجیے، جو میں کہہ رہا ہوں۔''

''یعنی تمہیں لے چلوں؟''

Akram Allahabadi

''ہاں۔''

''تم جان بوجھ کر آگ میں کودنا چاہتے ہو۔''

''میں مجسمِ فائر بریگیڈ ہوں۔''

''اوہ، تم سمجھتے کیوں نہیں؟'' وہ جھنجلا گئی۔

''آپ کا باس کون ہے؟''

''یہ میں نہیں جانتی۔''

''چھپانا چاہتی ہو؟''

''نہیں، سچ کہہ رہی ہوں۔''

''ڈاکٹر گلبرٹ؟''

''شاید وہ بھی نہیں، لیکن میں تمہیں ان کے پاس ہی پہنچاتی۔''

''اچھا، ان حرکتوں سے آپ کے باس کا مقصد کیا ہے؟''

''ہماری تنظیم کا مقصد ہے انسانیت کی نجات۔''

''اوہو، تو یہ کوئی باقاعدہ تنظیم ہے۔''

''بے شک، کوئی انقلاب بغیر کسی تنظیم کے نہیں لایا جا سکتا۔''

''اس تنظیم کا نام کیا ہے؟''

''میں اس کے بارے میں تمہیں ایک لفظ نہیں بتا سکتی، میں اس کی وفادار ہوں۔''

کیٹی نے صاف گوئی سے کام لیا۔

''آپ بتا دیتیں تو شاید میں بھی اس کا وفادار ہو جاتا۔''

''تنظیم کے اصول بہت سخت ہیں، میں مجبور ہوں۔''

''اور اگر میں اس کے خلاف کام کروں گا تو؟''

''ایسا کوئی سوال نہیں، ہمارا سربراہ جب چاہے، جسے چاہے، ختم کر سکتا ہے۔ وہ

چاہے تو سارے شہر پر زوال لاسکتا ہے، لیکن وہ بڑی گرانڈ شخصیت ہے، وہ کسی پر تشدد نہیں کرتا۔'' کیٹی نے بتایا۔

''آپ کی باتیں کچھ عجیب ہی ہیں۔''

''میں نے بہت کچھ کہہ کر بھی کچھ نہیں کہا ہے، لیکن اگر تمہارا تعلق کسی مخالف طاقت، یا سرکاری ادارے سے ہے، تب بھی تم ہمارا بال بیکا نہیں کر سکتے۔''

''وہ رہی آپ کی کار، ایک کانسٹیبل بھی پاس کھڑا ہے۔'' بالے نے اشارہ کیا۔

''اسے لاوارث سمجھا گیا ہوگا۔''

''تو آپ مجھے لے چل رہی ہیں؟ میں وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کی پوزیشن خطرے میں نہیں پڑے گی۔''

''آپ مانتے نہیں تو چلیے۔'' وہ بیزار ہو کر بولی۔

وہ جب کار کے پاس پہنچے تو کانسٹیبل نے ڈاکٹر زیتل کی بیٹی کو پہچان لیا۔ بالے نے دیکھا کہ پولیس کے آدمی بھی ان لوگوں سے مرعوب ہیں۔

''میں نے پہچان لیا تھا کہ آپ کی ہی گاڑی ہے، اس لیے میں یہیں اس کی نگرانی کر رہا تھا۔ گاڑی اس طرح چھوڑ کر نہ جایا کیجیے۔'' کانسٹیبل نے کہا۔ کیٹی مسکرا دی۔

''بس اپنی ایک بیمار سہیلی کو دیکھنے گئی تھی۔'' کیٹی نے صفائی سے جھوٹ بولا۔

کانسٹیبل ایک طرف ہٹ گیا اور وہ گاڑی میں بیٹھ گئی۔ بالے اس سے پہلے اندر بیٹھ گیا تھا۔ کیٹی نے جھنجلائے ہوئے انداز میں گاڑی اسٹارٹ کر دی۔ اس کی گاڑی کے بمشکل نصف فرلانگ جاتے ہی کانسٹیبل نے اپنی جیب سے ایک سفید رومال نکال کر ہوا میں لہرا دیا اور اس کے نتیجے میں سڑک کی دوسری سمت ایک کراس روڈ کے تاریک گوشے سے ایک لمبی نیلی کار نکل کر اس کے قریب آ کر رک گئی۔ وہ اس میں سوار ہو گیا اور گاڑی چل دی۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

ڈاکٹر گلبرٹ

جس راستے پر وہ جا رہی تھی، وہ بالے کا جانا ہوا تھا۔ وہ ایک بار پہلے بھی یہاں آ چکا تھا، لیکن اس بار اس کی کار ڈھلوان والی سڑک پر نہیں رکی، بلکہ آگے سے ایک موڑ پر گھومتی ہوئی نشیب کی طرف اترتی گئی۔ یہاں تک کہ وہ ڈاکٹر گلبرٹ کے کمپاؤنڈ کے دروازے پر پہنچ کر رک گئی۔ یہاں ایک دربان موجود تھا، اس نے کیٹی کو دیکھتے ہی دروازہ کھول دیا اور کار اندر داخل ہو گئی۔ برآمدے میں ایک موٹا سا آدمی میز لگائے بیٹھا تھا، اس کی کمر پر پیٹی کسی تھی، جیسے کوئی سیکیورٹی آفیسر ہو۔ اس کے سامنے ہی میز پر ایک ریوالور رکھا تھا۔ رات کی اس پرسکوت گھڑی میں اس مقام پر لوگوں کا مستعد ہونا، کوئی معنی ضرور رکھتا تھا، بالے نے سوچا، لیکن اس نے اس کار کے سفر میں بھی نہ کیٹی سے کوئی گفتگو کی تھی اور نہ یہاں پہنچ کر کچھ پوچھا۔ راستے میں ایک بار جب اس نے کار میں کیٹی سے کچھ پوچھنا چاہا تھا تو کیٹی نے اسے انگلی سے خاموش رہنے کا اشارہ کر دیا تھا۔ وہ سمجھ گیا کہ کار میں ضرور کوئی آٹو میٹک ٹرانسمیشن سسٹم نصب ہے۔

''وزٹر۔'' کیٹی نے اندر داخل ہوتے ہوئے اس موٹے آدمی سے کہا۔ جس کے جواب میں اس نے پہلے بالے کی شکل غور سے دیکھی، پھر اپنی کلائی کی گھڑی دیکھی۔

''ہُم۔'' اس نے سر ہلایا اور میز پر رکھے ماسٹر فون کا ایک سوئچ آن کر دیا۔

''وزٹرون وود مس کے، سپریموز آرڈر پلیز۔''

''ویٹ اے منٹ۔'' ماسٹر فون میں جواب سنائی دیا۔ اور وہ سب خاموش کھڑے رہے۔

بمشکل چند سیکنڈ گزرے ہوں گے کہ پھر انھیں وہی آواز سنائی دی۔ ''اندر بھیج دو۔''

موٹے آدمی نے کیٹی کو سر سے اشارہ کیا کہ وہ مع مہمان کے اندر جا سکتی ہے، لیکن

کیٹی خوش نظر نہیں آ رہی تھی۔

''تم اچھا نہیں کر رہے۔'' وہ اسے لے کر بڑے دروازے میں داخل ہوتی ہوئی بڑبڑائی۔

''ایک بار پھر اس ہمدردی کا شکریہ۔'' بالے مسکرایا۔

اندر فرش پر کشمیری قالین بچھے ہوئے تھے اور کمرہ جدید فیشن کے فرنیچر سے آراستہ تھا۔ یہاں ایک آدمی جو سیاہ سوٹ میں تھا اور معمر و مہذب نظر آتا تھا، ان کا استقبال کو آگے بڑھ آیا۔

''مس کیٹی، آپ یہیں ٹھہریے اور مسٹر اجنبی، آپ میرے ساتھ آیے۔'' اس نے بڑے پر اخلاق انداز میں کہا۔

''لیکن...؟'' کیٹی نے کچھ کہنا چاہا، مگر اس نے بات کاٹ دی۔

''آئی ایم ساری، اٹ از این آرڈر۔'' اس نے معذرت چاہی۔ اور کیٹی مجبوراً ایک صوفے پر بیٹھ گئی۔ بالے نے ایک نظر اس کی طرف دیکھا۔ وہ کچھ پریشان سی نظر آ رہی تھی۔ بالے مسکرا دیا اور اس آدمی کے پیچھے ہو لیا۔ ایک دوسرے کمرے میں داخل ہو کر وہ آدمی رک گیا۔

''آپ ڈاکٹر گلبرٹ جیسی معزز شخصیت کے مہمان ہیں، اس لیے آپ کی جیب میں جو پستول ہے، وہ براہِ کرم یہیں رکھ دیجیے، واپسی پر آپ کو مل جائے گا۔'' اس نے بالے نے کہا۔ اور بالے چونک پڑا۔ پھر وہ اس خیال سے مسکرا دیا کہ اس نے اندازے سے کہہ دیا ہو گا۔

''میرے پاس ایسی کوئی چیز نہیں ہے۔'' بالے نے جواب میں کہا۔

''اب آپ جھوٹ ہی بولنا چاہتے ہیں تو یہ آپ کی شرافت ہے، ورنہ ریوالور آپ کی اندر کی جیب میں موجود ہے۔'' وہ آدمی متانت سے بولا اور بالے اس کے انکشاف پر کچھ حیران سا رہ گیا۔

''اور اگر میں نہ دوں تو؟''

''باس کو اس بات کا علم ہے کہ آپ اپنی خوشی سے یہاں آئے ہیں، اس لیے آپ کے ساتھ مہمانوں جیسا سلوک ہی ہوگا۔ اور پھر یہ ایک ڈاکٹر کا گھر ہے۔'' اس آدمی نے سمجھایا۔

بالے نے اور کوئی چارہ نہ دیکھ کر پستول جیب سے نکال کر اس کے حوالے کر دیا اور اس آدمی نے اس کے سامنے ہی اسے ایک الماری کے اوپری حصے میں ڈال دیا۔

''واپسی پر آپ کو یہ اسی طرح یہیں ملے گا، آپ اطمینان رکھیے۔'' یہ کہہ کر وہ پھر اس کی رہنمائی کرنے لگا۔ ایک دروازے سے گزرنے پر اس کو ایک بٹلر سامنے سے گزرتا نظر آیا۔

''جارج۔'' اس نے آواز دی اور بٹلر رک گیا۔

''صاحب اس وقت کہاں ہیں؟''

''لائبریری میں۔'' یہ کہہ کر بٹلر چلا گیا۔

''داہنی سمت کے کاریڈور میں ایک بھاری بند دروازے کے باہر جب اس آدمی نے گھنٹی کا بٹن دبایا تو اندر سے کسی نے بھاری آواز میں 'کم ان' کہا اور دروازہ کھل گیا۔

''آپ اندر تشریف لے جایے۔'' اس آدمی نے بالے کو اشارہ کیا اور بالے چہرے پر کچھ حماقت کے آثار طاری کر کے اندر داخل ہو گیا۔

یہاں اسے ایک میز پر جو نصف دائرے کی شکل کی تھی، ایک ریوالونگ چیئر پر تندرست سا ایک سفید فام آدمی بیٹھا نظر آیا۔ اس کی آنکھوں پر باریک سنہری فریم والی عینک تھی اور ایک ہاتھ کی انگلیوں میں سگار دبا ہوا تھا۔ اس کے سر کے بال درمیان سے کچھ صاف تھے، چہرے پر سنجیدگی بھی تھی اور بردباری بھی۔ اس کے سامنے ایک موٹی سی کتاب کھلی ہوئی تھی اور قریب ہی میز پر کچھ کاغذات بکھرے ہوئے ہوتھے۔

''آیے آیے تشریف لایے۔'' وہ صاف ہندوستانی لہجے میں بولا۔

Akram Allahabadi

بالے نے کوئی جواب نہیں دیا اور اس کی میز کے قریب چلا گیا۔ ڈاکٹر نے کرسی پیش کی اور وہ بیٹھ گیا۔

''میں نے سنا تھا کہ آپ عرصے سے مجھ سے ملنے کی کوشش کر رہے ہیں، فرمایئے؟'' اس نے اپنی کرسی پر پھیلتے ہوئے کہا۔

''میں ہی کیا، دنیا کو کوئی بھی آدمی یہی چاہے گا کہ ایسے عجیب و غریب بلیٹن جاری کرانے والے اور شہریوں کی فلاح کیلیے اپنی زندگی وقف کر دینے والے ڈاکٹر کا نیاز ضرور حاصل کیا جائے۔'' بالے نے خوشامدانہ لہجے میں کہا۔

''خوب۔'' ڈاکٹر مسکریا۔ ''تو اس کیلیے اس قدر پراسرار بننے کی کیا ضرورت تھی؟'' اس نے کہا۔ ''آپ براہِ راست میرے پاس آسکتے تھے۔''

''میں نے سنا تھا آپ کسی سے ملتے نہیں، اور ملتے بھی ہیں تو اتفاق سے۔''

''خیر، لیکن اب جب آپ مجھ سے مل چکے ہیں، آپ کیا چاہتے ہیں مجھ سے؟''

''کچھ سوالات، جو میرے ذہن میں چبھ رہے ہیں۔''

''پوچھیے۔''

''اس شہر کے لوگ آدھے خبطی کیوں ہیں؟''

''یہ سب جاننے کی میں خود بھی کوشش کر رہا ہوں۔''

''آپ کے بلیٹن کیا واقعیت پر مبنی ہوتے ہیں، یا آپ ان سے محض دلچسپی لینے کی خاطر ایسے شغل جاری رکھتے ہیں؟''

''آپ کا سوال اگرچہ تہذیب سے کچھ گر گیا ہے، لیکن میرے یہاں سے ہر بلیٹن پوری تحقیق کے بعد جاری کیا جاتا ہے۔ یہاں کی آب و ہوا اور لوگوں کے مزاج کے مطابقت سے ہی یہ مشورے انھیں دیے جاتے ہیں۔''

''اور کیا آپ سردار اسمٰعیل والے واقعے پر کوئی روشنی ڈال سکیں گے؟''

''کیا مطلب...؟''ڈاکٹر کا لہجہ ایک دم بدل گیا۔''آپ کس حیثیت سے یہ سوال کر رہے ہیں؟''

''میں ایک جرنلسٹ کی حیثیت سے پوچھ رہا ہوں۔''بالے نے جھوٹ بولا۔

''اوہ،لیکن آپ کے اس سوال کے بعد میں کسی سوال کا جواب نہیں دوں گا۔مجھے جرنلسٹوں سے سخت نفرت ہے۔میں ان کا سایہ بھی اپنے قریب برداشت نہیں کرسکتا۔''ڈاکٹر ایک دم چڑ گیا اور بالے مسکرا دیا۔

''سردار اسمٰعیل نے مجھ سے پوچھا تھا کہ اگر وہ اپنی تمام جائداد اور دولت غریبوں کے مفت علاج والے اسپتال کیلیے وقف کردیں تو کیا ہوگا۔میں نے اس کے جواب میں کہہ دیا کہ تب جنت میں جانے کیلیے آپ کا راستہ صاف ہوجائے گا اور مسلمانوں کے عقیدے کے مطابق آپ کو جنت میں موتیوں کا محل،حوریں اور غلمان بہت کچھ ملیں گے۔اس کے بعد وہ مجھے ایک دستاویز دے کر چلے گئے اور میں قطعی یہ نہ سمجھ سکا کہ انھیں جنت میں جانے کی اتنی جلدی کیا ہے کہ وہ خودکشی کر بیٹھیں گے۔''ڈاکٹر اتنا کہہ کر خاموش ہوگیا۔

''مجھے اور کچھ نہیں پوچھنا ہے،آپ کا شکریہ۔''بالے نے جواب میں کہا۔اور جیب سے سگریٹ نکال کر جلانے لگا۔

''اب مجھے آپ سے کچھ پوچھنا ہے۔''ڈاکٹر کا لہجہ یہ کہتے ہوئے ذرا سخت ہوگیا۔

''فرمایے۔''بالے نے کہا۔

''میں ایک معزز آدمی ہوں اور اس شہر کے لوگ میرا احترام کرتے ہیں،پھر آپ کو یہ کیسے جرأت ہوئی کہ میرے پیچھے جاسوسی کرتے پھریں؟''

''جاسوسی...؟یعنی میں...؟''بالے نے معصوم بننا چاہا۔

''مسٹر جرنلسٹ،آپ نے ڈاکٹر گلبرٹ کو کوئی دودھ پیتا بچہ سمجھ لیا ہے کیا؟''ڈاکٹر کا لہجہ خوفناک ہوگیا۔''آپ کی تمام حرکتیں میری نظر میں ہیں اور میں آپ کو ابھی اس کا مزا بھی

چکھائے دیتا ہوں۔"

ڈاکٹر نے یہ کہہ کر میز کا ایک بٹن دبایا، جس کے ساتھ ہی کمرے کا ایک دروازہ کھل گیا اور جو آدمی اندر داخل ہوا، وہ بالے کیلیے کوئی انجانا نہیں تھا۔ یہ وہی لمبی مونچھوں والا سگار باز تھا، جسے وہ کیٹی کے ساتھ بھی دیکھ چکا تھا اور اسٹیشن پر بھی۔ وہ مسکراتا ہوا اندر آ گیا اور ڈاکٹر کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

"آفیسر، یہی ہے نا وہ؟" اس نے بالے کی طرف اشارہ کر کے اس سے پوچھا۔

"جی ہاں، یہ آدمی شروع سے میری نظر میں ہے۔" اس آدمی نے بالے کو حقارت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"آپ اسے لیجا سکتے ہیں۔" ڈاکٹر نے یہ کہا اور اٹھ کر ایک پردے کو ہٹاتا ہوا عقبی دروازے میں غائب ہو گیا۔ بالے جیسے ہی پلٹا، اسے اس آدمی کے ہاتھ میں بھرا ہوا پستول نظر آیا۔

"تشریف لے چلیے، جناب۔ اِدھر، اس دروازے سے۔" اس نے بالے کو اسی دروازے کی طرف چلنے کا اشارہ کیا، جس سے وہ خود اندر داخل ہوا تھا۔ اس دروازے سے باہر نکلتے ہی بالے کو باہر دو مسلح پولیس مین نظر آئے۔ وہ اس آدمی کو دیکھتے ہی اٹنشن ہو گئے۔

"انھیں پولیس اسٹیشن لے چلو۔" اس آدمی نے حکم دیا اور وہ دونوں بالے کے دائیں بائیں چلنے لگے۔ عمارت کے باہر ایک جیپ کار موجود تھی۔ بالے نے پہلے نہ دیکھی تھی اور اس کا مطلب تھا کہ اس آدمی کو ٹیلی فون کر کے بلایا گیا ہوگا۔ جیپ کار پر سامنے 'پولیس' لکھا تھا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

نامعلوم مددگار

پولیس کی یہ گاڑی ابھی ڈھلوان والی سڑک کو عبور کر کے مضافاتی مین روڈ پر نکلی ہی تھی کہ اسے سامنے کھڑی ایک لمبی سیاہ رنگ کی کار سے اپنا راستہ رکا ہوا نظر آیا۔

''اے، گاڑی ہٹاؤ سامنے سے۔'' وہ سگار والا کار میں بیٹھے بیٹھے چیخا، مگر اسے کوئی جواب نہ ملا، جیسے اس کار میں کوئی نہ ہو۔ وہ غصے میں بھرا جیپ کار سے اتر کر تیز قدم اٹھاتا اس کار کے پاس پہنچ گیا، مگر پھر نہ جانے کیا ہوا جو وہ اسی جگہ تیوار کر گر پڑا۔ یہ دیکھتے ہی وہ دونوں کانسٹبل بالے کو چھوڑ کر اس کی طرف دوڑ پڑے۔ انھوں نے پہلے اسے دیکھا، پھر کار میں جھانکنے کی کوشش کی، لیکن اب کا بھی وہی حشر ہوا جو ان کے افسر کا ہوا تھا۔

''کم آن، سارجنٹ۔'' بالے کو اس کار سے آواز سنائی دی۔ وہ حیران رہ گیا، لیکن وہ جیپ سے اتر کر اس کار کی طرف دوڑا، اسے کار میں اسٹیرنگ پر بیٹھا ایک آدمی نظر آیا، جس نے دروازہ کھول دیا اور بالے کے اندر بیٹھتے ہی گاڑی اسٹارٹ کر دی اور کار برق رفتاری سے سڑک پر دوڑنے لگی۔ اندر تاریکی ہونے کی وجہ سیاپنے محسن کی شکل اس کی سمجھ میں نہ آئی، مگر وہ اس سے پوچھے بغیر نہ رہا۔

''شکریہ دوست، مگر تم کون ہو؟''

''خفیہ پولیس کے آفیسر کو اتنا بیوقوف نہ ہونا چاہیے۔'' اس نے بھاری آواز میں جواب دیا۔

''مگر تم یہاں کی پولیس سے متعلق تو نہیں معلوم ہوتے، یہ لوگ تو ڈاکٹر کے اثر میں معلوم ہوتے ہیں؟'' بالے نے پوچھا۔

''جہاں سے تم آئے ہو، وہیں سے میں آیا ہوں، اور اگر میں بروقت تمہاری مدد کو نہ

پہنچتا تو آج تمہاری شامت ہی آ گئی تھی ۔ یہاں تھرڈ ڈگری میں آدمی اگر مر جائے تو کوئی باز پرس نہیں ہوتی اور ظاہر ہے کہ تم اپنی شخصیت تو ان پر ظاہر نہیں کر سکتے تھے ۔''

''اوہ، تو تمہیں خان صاحب نے بھیجا ہوگا۔ مجھے معلوم ہے وہ یہاں پہنچ چکے ہیں ۔'' بالے نے اپنے تئیں اپنی چونکا دینے والی معلومات کا اظہار کیا۔

''اگر تم سارجنٹ بالے ہو تو مجھے خان صاحب نے ہی بھیجا ہے ۔'' اس نے جواب دیا۔

''میں بالے ہی ہوں اور تمہیں خان صاحؒ نے ہی بھیجا ہے ۔'' بالے نے کہا۔

''لیکن تم یقیناً ان کی رزروفورس میں ہوگے، ورنہ اب تک میں پہچان چکا ہوتا ۔'' بالے نے کہا۔

''تو اب پہچان لو۔'' یہ کہہ کر اس نے کار ایک جھٹکے سے روک لی اور اگلے حصے میں چھت میں لگی روشنی آن کر دی۔ بالے اسے دیکھتے ہی سیٹ سے اچھل پڑا۔ وہ ہوٹل ۱۹۸۰ء کا منیجر ہی تھا، مگر اس سے پہلے کہ وہ کچھ سمجھ سکے، اسے منیجر کے ہاتھ میں پستول نظر آیا جس کا رخ اس کی طرف ہی تھا۔

''کوئی حرکت کی تو تمہاری لاش میں یہیں سڑک پر پھینک دوں گا۔'' اس نے اس بار اپنے اصلی لہجے میں اس سے مخاطب کیا۔ اور بالے واقعی اس موقع پر بے بسی محسوس کرنے لگا۔ بات ابھی تک اس کی سمجھ میں نہ آ سکی تھی ۔ آخر وہ اسے اس پولیس آفیسر سے چھڑا کر کیوں لایا تھا؟ مگر ایک منٹ میں سب کچھ اس کی سمجھ میں آ گیا۔ منیجر نے ڈیش بورڈ کا ایک سوئچ آن کر دیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی ڈیش بورڈ سے خفیف سی گھر گھراہٹ کی آواز آنے لگی۔

''حیدر کالنگ باس... حیدر کالنگ...''

''کم آن ۔'' ڈیش بورڈ سے آواز آئی۔

''میں نے سب کچھ معلوم کر لیا ہے ۔ یہ وہی سارجنٹ ہے جس کے بارے میں ہمیں بمبئی سے اطلاع مل چکی تھی اور اس کا باس بھی، جس کا نام خان صاحب ہے، اسی شہر میں

موجود ہے۔اوراس کی کوئی نامعلوم رزروفورس بھی کام کررہی ہے۔''منیجر نے ڈیش بورڈ کی طرف جھک کرکہا۔

''تو یہی ہیں ہولوگ۔خیر،وہ انسپکٹر ہردیش کہاں ہے؟''

''وہ اپنے سپاہیوں سمیت ہائی وے پر بے ہوش پڑا ہوا ہے۔میں نے ان کی ناک پر کلورافائیڈ بلب مارے تھے۔''اس نے جواب دیا۔

''اسے پہلے واپس لیجاؤ اورانسپکٹر کی پستول کی گولی سے ہی اسے ختم کر کے پستول انسپکٹر کے ہاتھ میں تھما دو اوراس کی لاش سڑک پر ڈال دو۔مگر گولی پیٹھ میں لگنی چاہیے، جیسے بھاگتے میں مارا گیا ہو۔''ڈیش بورڈ سے آواز سنائی دی۔

''اوکے باس۔''منیجر نے کہااورسوئچ آف کردیا۔پھراس نے جیب سے ایک لاک والی چین نکال کرایک ہاتھ سے ہی بالے کے ہاتھ میں ڈال دی۔ایک سیکنڈ کیلیے بھی اس نے پستول کانشانہ بالے کے سینے سے نہیں ہٹایا،ورنہ بالے اس طرح قابو میں نہ آتا۔

اس چین کا دوسرا سرا اس نے ڈیش بورڈ کی تہ میں ایک ہک میں اٹکا دیا اور گاڑی پھر اسٹارٹ کردی۔وہ اسے واپس گھما رہا تھا۔

''ابھی میرا کیا کروگے تم؟''بالے نے بڑی معصومیت سے پوچھا۔

''اچار ڈال کر اپنے ہوٹل کے مہمانوں کو کھلاؤں گا۔تم تو میرے رقیب بھی ہو نا۔''منیجر نے دانت پیستے ہوئے جواب دیا۔

''میں بڑا زہریلا آدمی ہوں،کھانے والے سب مرجائیں گے۔''بالے نے کہا۔

''تمہارا زہر تو میں ابھی نکالے دیتا ہوں۔''وہ کار کو پھر اسی سڑک پر واپس کرتے ہوئے بولا۔بالے خاموش ہوگیا۔اس کا دماغ اس وقت بچ نکلنے کی ترکیب سوچ رہا تھا،حالانکہ منیجر بہت محتاط دکھائی دیتا تھا اوراس ویرانے میں کسی توقع بھی نہیں کی جاسکتی تھی جو اس وقت سر پر آئی ہوئی موت کو ٹال لے جائے اوراس نے چاہا بھی کہ خود کو منیجر پر گرادے،مگر وہ تو پوری

طرح ہوشیار تھا، اس نے اس کو کھڑکی کی طرف دھکیل دیا۔ بالے کو اس وقت اپنی موت یقینی نظر آ رہی تھی، مگر جب کار واپس اس مقام پر پہنچی تو منیجر خود بھی چونک پڑا۔ یہاں نہ تو جیپ کار تھی اور نہ انسپکٹر اور سپاہیوں کا پتا تھا۔ سڑک پر البتہ ایک انسانی لاش پڑی تھی، جسے دیکھ کر منیجر نے کار کو بریک مار کر روک لیا۔ بالے کو کار میں چھوڑ کر وہ اتر پڑا اور کار کی ہیڈ لائٹس کی روشنی میں پستول اسی طرح ہاتھ میں تھامے لاش کے نزدیک پہنچ گیا۔ وہ اوندھی پڑی تھی۔ منیجر جیسے ہی اسے پلٹ کر دیکھنے کیلیے جھکا، اچانک اس لاش نے اپنی دونوں ٹانگیں اس کی گردن میں حمائل کر دیں اور اتنی پھرتی سے کروٹ لی کہ منیجر نیچے آ رہا، مگر پستول اسکے ہاتھ میں ہی تھا۔ اس نے چاہا تھا کہ اس نامعلوم شخص پر گولی چلا دے، مگر اس نے مضبوطی سے اس کا ہاتھ کلائی سے تھام لیا۔ منیجر کی انگلی پستول پر ہی تھی۔ اس نے اپنی گردن چھڑانے کی کوشش کے ساتھ ہاتھ کو بھی جھٹکے سے چھڑانا چاہا اور گولی چل گئی۔ وہ اس کے اپنے سینے پر ہی پڑی اور اس کے ہاتھ پیر ڈھیلے پڑ گئے۔ اجنبی اپنے کپڑے جھاڑتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے منیجر کی لاش کی طرف توجہ بھی نہ دی، بلکہ سیدھا اس کالی کار کی طرف لپکا اور جست مار کر اس کی ڈرائیونگ والی نشست پر جا بیٹھا۔ اس نے فوراً ہی گاڑی اسٹارٹ کر دی اور اسے دوسری طرف سے پلٹا کر تیز رفتار پر چھوڑ دیا۔

''اب تم کون ہو، دوست؟''

''تمہاری شامتِ اعمال۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم اتنے اپاہج ہو۔'' اسے جواب ملا۔ مگر بالے نے آواز فوراً پہچان لی اور اس کا چہرہ فرطِ مسرت سے کھل اٹھا۔

''ارے آپ؟'' وہ حیرت سے بولا۔ ''میں تو سمجھا تھا کہ آج میں گیا کام سے۔''

''تو گویا اس دن بھی آپ تھے؟ لاحول ولاقوۃ۔ میں تو اب تک خود کو کسی چور کا احسان مند سمجھ رہا تھا۔''

''تم بعض اوقات شاندار قسم کی حماقتیں کرتے ہو۔ تمہارے پاس دستی ٹرانسمیٹر ہوتے ہوئے بھی تم نے مجھے کنفلکٹ کرنے کی کوشش نہیں کی۔'' خان نے بچوں کو سمجھانے جیسے

انداز میں کہا۔

''مجھے شوکت کی بات پر یقین نہیں آ رہا تھا۔'' بالے نے بتایا۔

''ہمیشہ جیبوں میں کم از کی دو ریوالور رکھا کرو۔ وہ تو اتفاق ہی تھا یہ کہ کسی جد وجہد میں تمہاری اس گھڑی کا آپریٹنگ سوئچ آن ہو گیا اور میں نے اپنی کلائی گھڑی کی شکل کے رسیونگ سیٹ سے وہ تمام باتیں سن لیں، جو اس کے مخبر اور اس کے باس کے درمیان وائرلیس پر ہوئی تھیں، ورنہ مجھے خبر بھی نہ ہوتی تم کب مارے گئے۔'' خان نے بتایا۔

''مجھے یاد آ رہا ہے کہ جب وہ مجھے چین پہنا رہا تھا تو اس کی رگڑ سے ہی اس رسٹ ٹرانسمیٹر کا سوئچ آن ہو گیا ہو گا۔ اس نے تو اسے کلائی کی گھڑی ہی سمجھ کر کوئی توجہ نہیں دی۔'' بالے نے بتایا۔

''خیر، اس ایجاد سے تو ہندوستان میں بہت تھوڑے ہی لوگ واقف ہونگے اور وہ بھی ہمارے محکمے کے، وہ بیچارا کیا سمجھتا۔'' خان نے کہا۔

''لیکن وہ سگاروالا اور دو پولیس کانسٹیبل کہاں گئے؟ منیجر اس کا نام انسپکٹر ہردیش لے رہا تھا شاید۔''

''ہاں، وہ یہاں کی خفیہ پولیس میں انسپکٹر ہے۔ یہاں کے پولیس افسر زاور یہاں کے حکام بھی ڈاکٹر گلبرٹ سے بہت مرعوب ہیں۔''

''آپ پہنچے کیسے یہاں؟''

''بس اسی ٹرانسمیشن پر ہائی وے کا نام سنتے ہی میں یہاں آ پہنچا تھا۔ جیپ کار سے فاصلے پر وہ تینوں بیہوش پڑے نظر آئے، چنانچہ میں نے انھیں جیپ میں ڈال کر اور جیپ کو خود ڈرائیو کر کے پیچھے سڑک کے کنارے لے جا کر اندھیرے میں کھڑا کر دیا ہے۔ میرا خیال ہے انھیں جلد ہوش نہ آئے گا۔ کلورافائڈ لیس کا اثر گھنٹہ دو گھنٹہ تو رہتا ہی ہے۔'' خان نے بتایا۔

''آپ ٹھہرے کہاں ہیں؟''

''یہ میں ابھی نہیں بتاؤں گا، کیونکہ سر دست تم مجھ سے علیٰحدہ ہی کام کرو گے۔ میں چاہتا ہوں کہ ان کی توجہ تم پر ہی مرکوز رہے۔''

''آپ پیدل ہی یہاں آئے تھے کیا؟'' بالے نے پوچھا۔

''ابھی تک صرف ٹیکسیوں سے کام چلا رہا ہوں۔'' خان نے جواب دیا۔

''مگر یہ سب کچھ آخر ہے کیا سلسلہ؟''

''دیکھتے جاؤ، جلد ہی سمجھ میں آجائے گا۔'' یہ کہہ کر خان نے ایک باریک سے زنبور سے دبا کر بالے کی چین کاٹ دی۔

''آپ نہیں بتائیں گے؟''

''کیا تمہیں پاگلوں کا شہر نہیں معلوم ہوتا؟''

''یہی تو میں کہنا چاہتا تھا۔''

''تو یونہی سمجھ لو کہ ان پاگلوں میں سیانے بھی ہیں اور ڈاکٹر گلبرٹ اور اس کے آدمی تو قطعی ہوشمند، بلکہ بہت چالاک ہیں۔'' خان نے بتایا۔

''میں سمجھ تو رہا ہوں، مگر کیا ہمارا یہاں کے واقعات سے کوئی تعلق ہوسکتا ہے؟'' بالے نے سوال کیا۔

''بیٹے، یہ پاگلوں کا ایک ماڈل ٹاؤن ہے اور اگر یہ کامیاب رہا تو پھر ایک دن سارا ملک پاگل ہوسکتا ہے۔'' خان نے کہا۔

''تب تو واقعی محنت کی ضرورت ہے۔''

''اور وہ بھی اس طرح کہ یہاں کی پولیس اکثر موقعوں پر ڈاکٹر گلبرٹ کا ہی ساتھ دیگی۔ ہمیں یہاں کی قانونی یا غیر قانونی مدد کی توقع کیے بغیر اپنا کام کرنا ہے۔'' خان بولا۔

''ارے، اب آپ آگئے ہیں تو میں اکیلا فوج سے ٹکرانے کی ہمت رکھتا ہوں۔''

''دیکھ لیں وہ بھی۔'' خان مسکرایا۔ ''اور ہاں، شوکت تمہیں بہت یاد کرتا ہے۔''

Akram Allahabadi

''کیا وہ آپ کے ہی ساتھ ہے؟''

''ہے بھی، اور نہیں بھی۔ بہر حال اس بار میں اس سے کچھ کام بھی لے رہا ہوں۔''

خان نے بتایا۔

''جب ہی وہ اس دن اتنا اترایا ہوا تھا۔ مجھے تو اسکی حماقتوں سے ڈر لگنے لگتا ہے۔''

بالے نے کہا۔

''میں اسے ہینڈل کرنا جانتا ہوں، اس کی فکر نہ کرو۔ تمہیں کہیں مل جائے تو کترا جایا کرو۔ ویسے میں نے اسے بھی ہدایت کر دی ہے۔''

''تو آپ سے صرف وائرلیس پر ہی کنٹکٹ کر سکتا ہوں۔''

''ہاں، تا وقتیکہ میں خود کوئی اور ہدایت نہ دوں۔''

تھوڑی دیر میں ہی نیو مون ہوٹل کے احاطے کے دروازے پر ان کی کار رکی، دربان نے دروازہ کھولدیا۔

''بس تم جاؤ، اور ڈاکٹر سید کی بھی خبر لو، اگر انکی رپورٹ مکمل ہو جائے تو مجھے رسٹ ٹرانسمیٹر پر ہی خبر کر دینا۔''

''او کے، باس۔'' بالے اتر گیا، مگر پھر اسے اس کار کا خیال آ گیا۔

''اور یہ کار؟ یہ تو اس گدھے کی ہے۔''

''حالات کو پراسرار بنانے کیلیے یہ کار تمہارے ہوٹل کے سامنے ہی صبح ملے گی تا کہ تم انکی نظر میں اور زیادہ آ جاؤ۔'' خان نے ہنس کر کہا۔

''صدقے کا بکرا میں ہی ہوں گویا، اور وہ بھی قربانی بے لذت۔''

''گھبراؤ نہیں، کیٹی بھی تم میں دلچسپی لے رہی ہے۔''

''تو یعنی اجازت ہے؟'' بالے نے چونک کر کہا۔

''فرائض کے دائرے میں۔''

Akram Allahabadi

"ہائے بیڈ لک، یہ واٹر سے تو میرے ارمانوں کا گلا گھونٹ کر رہیں گے۔" وہ فرائض کا ماتم کرتا رہ گیا، لیکن خان کارلے کر جا چکا تھا۔ بالے اتنی رات گئے کسی جگہ اپنی بدلی ہوئی حیثیت میں زبردستی گھس جانے کا بہتر طریقہ یہی نظر آیا کہ اس نے بن پیے اپنے ہوش وحواس پر اسکاچ کی پوری ایک بوتل کا نشہ چڑھا لیا اور لڑکھڑاتا ہوا اس کے پھاٹک میں داخل ہو گیا۔ جیب سے اس نے ایک چھوٹی سی شیشی نکالی۔ اس میں سے ذرا سی اسکاچ وسکی حلق میں انڈیل کر تھوڑی سی ہونٹوں پر مل لی تھی اور اب کوئی ڈاکٹر بھی یہ ثابت نہیں کر سکتا تھا کہ اس نے پی نہیں اور پی ہے تو کتنی؟ یہ شیشی اس قسم کی اداکاری کیلیے اس کی جیب میں رہا کرتی تھی۔ اسے صرف چوکیدار کو کمرہ نمبر بتانا پڑا اور چوکیدار نے اسے اندر لیجا کر ڈاکٹر سید کی قیام گاہ پر چھوڑ دیا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

گرفتاری

دوسرے دن صبح ہوٹل ۱۹۸۰ء کے منیجر کی پراسرار موت کی خبر سے شہر میں سنسنی پھیل گئی، مگر مقامی پولیس کی طرف سے یہی خبر دی گئی تھی کہ وہ ڈاکٹر گلبرٹ کے گھر میں داخل ہونے والے ایک چور کا تعاقب کرتے ہوئے خفیہ پولیس کے انسپکٹر مسٹر ہردیش کی گولی سے اس چور کے دھوکے میں مارا گیا ہے۔ گمان یہی ہے کہ وہ خود بھی ڈاکٹر کے یہاں جاتے ہوئے راستے میں پولیس کو فرار ہونے والے ملزم کا پیچھا کرتے دیکھ کر پولیس کی مدد کیلیے دوڑا ہوگا، جب اتفاق سے اسی دھوکے میں پولیس کی گولی سے مارا گیا۔ انسپکٹر ہردیش کا بیان ہے کہ فائر کرتے وقت انھیں کچھ ہوش نہ تھا۔ ملزم کیلیے صفدر سنگھا می کے ایک سیاح کا ذکر کیا گیا تھا جو ہوٹل ۱۹۸۰ء میں کچھ عرصے سے قیام پذیر تھا۔ ہوٹل کے ایک بیرے کا جو اسے سرو کرتا تھا، بیان ہے کہ وہ کچھ کریک اور غصہ ور قسم کا آدمی تھا۔ پولیس اسے تلاش کر رہی ہے۔ اس خبر کے ساتھ ہی بالے کا حلیہ لکھا گیا تھا جو ہوٹل ۱۹۸۰ء والے مسٹر نامی کا حلیہ تھا۔

رات کافی دیر تک جاگنے کے بعد بالے گھوڑے بیچ کر سویا تھا اور جس وقت اس کی آنکھ کھلی تو رؤف سامنے موجود تھا۔

''لاحول ولاقوۃ۔ کیا صبح صبح ان جغادری مونچھوں کا دیدار ہوا ہے۔'' وہ اسے دیکھتے ہی بڑبڑایا۔

''تم یہاں کیسے آ مرے؟'' رؤف نے اس سے سوال کیا۔

''ایک اسکاچ پی گیا تھا، سوچا رفو بھائی سے چل کر ٹھمری سنی جائے، اس لیے یہاں چلا آیا۔'' بالے نے کہا۔

''میں تو دو چار پھاوڑے بھی عرض کر سکتا ہوں، لیکن ڈسپلن آڑے آتا ہے۔''

''کافی وقت ہوگیا ہے۔'' بالے گھڑی دیکھتا ہوا بولا اور بستر سے اٹھ بیٹھا۔

دوسرے کمرے میں ڈاکٹر سید اور انکے ساتھی موجود تھے۔

''ہیلو، سارجنٹ۔'' ڈاکٹر نے اسے دیکھتے ہی مسکرا کر کہا۔

''ہیلو، ڈاک۔'' بالے یہ کہہ کر اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

''بہتر ہوگا کہ تم میک اپ کر ڈالو۔ آج کے اخبار میں ہوٹل ۱۹۸۰ء کے منیجر کی موت کی خبر کے ساتھ تمہارا حلیہ بھی دیا ہوا ہے۔ پولیس شہر بھر میں تمہیں تلاش کر رہی ہے۔'' رؤف نے مشورہ دیا۔

''خیال تو نیک ہے، بشرطیکہ تم اپنی مونچھیں اکھاڑ کر مجھے دیدو۔'' بالے نے اس کی طرف پلٹ کر کہا۔

''دیکھ لیا آپ نے، ڈاکٹر صاحب۔'' رؤف نے شکایتی لہجے میں ڈاکٹر سے کہا۔

ڈاکٹر سید مسکرا دیا۔ ''بعض لوگ بوڑھے ہونے تک بذلہ سنج رہتے ہیں۔''

''لعنت ہے ایسی بذلہ سنجی پر۔'' رؤف بڑبڑایا۔

بالے نے میز پر پڑا اخبار سرسری نظر سے دیکھا اور غسل خانے میں چلا گیا۔

رؤف نے میک اپ باکس وہیں پہنچا دیا اور جس وقت وہ باہر نکلا تو اسے کوئی پہچان نہ سکا۔ وہ ایک سفید فام یوروپی باشندہ نظر آرہا تھا جس کے چہرے پر دو چار جھرّیاں بھی پڑی تھیں۔

''ول مسٹر حورام مُنجھ، ابھی ٹمارا کھیال کیا ہے؟'' وہ رؤف کی طرف دیکھ کر بولا۔

''کوا چلا ہنس کی چال۔'' رؤف بڑبڑایا۔

''لیکن ہوٹل والوں نے تو اس شکل کے آدمی کو اندر آتے نہیں دیکھا ہوگا۔'' ڈاکٹر نے کہا۔

''اس کی فکر نہ کیجیے، میں کھڑکی کے راستے بھی جا سکتا ہوں۔'' بالے نے کہا۔

Akram Allahabadi

''ہمارا کام یہاں ختم کے قریب ہے اور مجھے ڈر ہے کہ ہم زیادہ دن یہاں ٹھہرے تو شاید ہماری بھی حالت دوسروں کی طرح ہو جائے گی۔'' ڈاکٹر سید نے کہا۔

''یعنی؟''

''میں اور میرے ساتھی ڈاکٹر یہاں کے عام حالات اور یہاں کے لوگوں کا قریب سے مطالعہ کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ یا تو یہاں کی آب وہوا میں ہی کچھ ایسے اثرات ہیں جو بتدریج انسانوں کے مخل سسٹم پر اثر انداز ہوتے ہیں اور ان کے اعصاب کو کمزور کر دیتے ہیں، یا پھر کوئی ایسی پراسرار طاقت ہے جو لوگوں کو وقتاً فوقتاً ان اثرات کا شکار بناتی رہتی ہے۔'' ڈاکٹر نے بتایا۔

''وقتاً فوقتاً سے مراد؟'' بالے نے سوالیہ انداز میں کہا۔

''بعض اوقات یہاں لوگ قطعی صحیح الدماغ ہوتے ہیں اور بعض اوقات پاگلوں جیسی حرکتیں کرتے ہیں۔''

''کیا وہ پراسرار طاقت ڈاکٹر گلبرٹ کی ہو سکتی ہے؟'' بالے نے سوال کیا۔

''تم تو اس طرح پوچھ رہے ہو جیسے میں ڈاکٹر سید نہیں سپرنٹنڈنٹ حضور احمد خاں ہوں۔ ویسے میرا یہ اندازہ ضرور ہے کہ لوگ یہاں ڈاکٹر گلبرٹ اور اس کے مشوروں کا احترام ضرور کرتے ہیں اور حیرت کی بات یہ ہے کہ یہ مشورے ان کے حق میں عجیب ہوتے ہوئے بھی مفید ثابت ہوتے ہیں۔'' ڈاکٹر نے بتایا۔

''مثلاً گھاس کھانا وغیرہ؟'' بالے نے بات کاٹ دی۔

''ہاں، میں نے تجزیہ کیا ہے۔ خدا جانے کیوں یہاں کی موجودہ موسمی کیفیت میں وہ مفید ثابت ہوئی۔ صرف پہلی بار ہاضمے پر تھوڑا سا اثر پڑتا ہے، بعد میں معدہ اسے قبول کرنے لگتا ہے۔''

''اب آپ شاید اصول صحت پر لکچر دینے کا ارادہ کر رہے ہیں۔'' بالے نے پھر

بات کاٹ دی۔

''یہ میری رپورٹ ہے جو میں تمہیں زبانی سنا رہا ہوں۔''

''کیا ان اثرات سے بچنے کی کوئی صورت ہو سکتی ہے؟''

''احتیاط کے طور پر ایک گیس ماسک اور پکایا ہوا پانی استعمال کیا جائے تو شاید مفید ہو۔ ویسے اگر یہ کوئی سائنسی شعبدہ ہوا تو میں کوئی موزوں مشورہ نہیں دے سکتا۔'' ڈاکٹر نے بتایا۔ ''ویسے یہ کوئی پراسرار قسم کی بیماری بھی ہو سکتی ہے۔''

''تو آپ کا پروگرام کیا ہے؟''

''میرا کام ختم ہو گیا ہے اور میں ان ہی نکات پر اپنی رپورٹ حکومت کو پیش کر دونگا۔ میری رائے میں اس سے زیادہ تو کوئی مشن نہیں کر سکتا، یا ممکن ہے کوئی غیر معمولی صلاحیتوں والا سائنسداں ان حالات کا کوئی اور پہلو تلاش کر سکے۔'' ڈاکٹر نے کہا۔

''کیا آپ خان صاحب کو خبر کیے بغیر جانے کا ارادہ رکھتے ہیں؟''

''نہیں، ایسا تو نہ ہوگا، خان صاحب کا فون ضرور آئے گا اور میں انھیں بتا دونگا۔'' ڈاکٹر نے کہا۔

''اچھا، آپ اور خان صاحب کیا علیحدہ علیحدہ لائنز پر کام کر رہے ہیں؟'' بالے نے سوال کیا۔

''بھئی، وہ ٹھہرے محکمۂ خفیہ کے انچارج، ان کا کام ہے سراغ رسانی کرنا اور میں ہوں ڈاکٹر، میرا کام ہے طبی اصولوں سے معاملات کی تحقیق۔ مجھے تو حکومت کی طرف سے اس مشن پر بھیجا گیا ہے۔ ویسے دوستانہ طور پر میں اور خاں صاحب ایک دوسرے سے مشورے ضرور کرتے ہیں۔'' ڈاکٹر نے کہا۔

''خان صاحب نے شاید اس لیے مجھے یہاں چھوڑا تھا کہ ہوٹل ۱۹۸۰ء میں یہاں کی پولیس مجھے تلاش کر رہی ہوگی، مگر انھوں نے یہ کیوں کہا تھا کہ میں آپ سے آپ کی

Akram Allahabadi

رپورٹ کے بارے میں پوچھوں جب کہ انھوں نے اپنی قیام گاہ تک مجھ سے راز میں رکھی ہے۔''

''میں تو سمجھتا ہوں کہ یہاں کے حالات کے پیشِ نظر ہی وہ اتنی رازداری برت رہے ہیں۔ہمارے ساتھ بھی ان کا طریقِ کار وہی ہے۔یعنی صرف وہی ہم سے فون پر بات کرتے ہیں۔ہمیں ان کے بارے میں کچھ علم نہیں۔''ڈاکٹر سید نے بتایا۔

''رؤف بھائی،تمہاری مونچھوں کو کچھ خبر ہے؟''بالے نے رؤف سے پوچھا۔

''تم تو بات ہی نہ کرو مجھ سے،میں یہاں سے واپسی پر ضرور استعفےٰ دیدونگا۔''

''شوق سے دیدینا،تم بوڑھے بھی ہو چکے ہو۔''

''میاں سارجنٹ،اب بھی میں تم جیسے چار چار جوانوں کو کافی ہوں۔''رؤف نے برامان کر کہا۔

بات یہیں تک پہنچی تھی کہ اچانک دروازے پر دستک ہونے لگی۔

''یہ پیرا تو معلوم نہیں ہوتا۔''ڈاکٹر نے چونک کر کہا۔

''ہم لوگوں کی دوستی میں آپ بھی سراغرساں بنتے جارہے ہیں۔''بالے یہ کہہ کر مسکرایا پھر اس نے جلدی سے اپنا میک اپ اور ٹھیک کرلیا اور صوفے پر پیر پھیلا کر اخبار دیکھنے لگا۔رؤف نے دروازہ کھول دیا۔ان کے سامنے ایک باوردی پولیس آفیسر اور دو سپاہی کھڑے ہوئے تھے۔

''معاف کیجیے گا،ہمیں ایک مفرور مجرم کی تلاش ہے۔''انسپکٹر نے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا۔

''فرمایے،ہم کیا خدمت کرسکتے ہیں؟''ڈاکٹر نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے پوچھا۔

''آپ کے کمروں کی تلاشی لینا ہے۔''انسپکٹر نے کہا۔

Akram Allahabadi

''شوق سے لیجیے۔'' ڈاکٹر نے کہا۔اوران لوگوں نے بالے پر ایک نظر ڈالتے ہوئے اپنا کام شروع کر دیا اور تو کچھ انھیں قابلِ اعتراض نظر نہ آیا، مگر میک اپ بکس پر انکی توجہ ضرور مرکوز ہوگئی

''یہ ان کا ہے۔یہ اسٹیج آرٹسٹ ہیں اور اپنا میک اپ کا سامان ساتھ رکھتے ہیں۔'' ڈاکٹر سید نے رؤف کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

''اوہ،خیر...'' انسپکٹر نے غور سے رؤف کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''آپ کی تعریف؟'' وہ بالے سے مخاطب ہو کر بولا۔

''ام کو پروفیسر ڈبلو ڈبلو ہنٹر بولتا ہائے۔ام اور ڈاکٹر کے پاس آفر کیلیے آیا ہائے۔'' بالے نے ہندوستانی بولنے کی کوشش کرنے والے انگریز کے سے انداز میں کہا۔''اور آپ سے مل کر میرے کو بھوت کھسی ہوا۔'' اس نے مصافحے کیلیے ہاتھ بھی آگے بڑھا دیا۔انسپکٹر نے برا سا منہ بنا لیا۔

''آپ کے پیپرز کہاں ہیں؟'' اس نے سوال کیا۔

''وہاٹ پیپرز؟ آئی ایم ناٹ اے ہاکر۔'' بالے بھی بگڑ گیا۔

''میں پاسپورٹ وغیرہ کے بارے میں پوچھ رہا ہوں۔'' انسپکٹر نے کہا۔

''ہمارے پاس پورٹ ہوتا تو ام پورٹ ٹرسٹ میں بن جاتا، وہاٹ ڈو یو نو۔'' بالے نے کہا۔

''اوہ،تو آپ پولیس کا مذاق اڑانے کی کوشش کر رہے ہیں؟''

''وہاٹ؟''

''آپ کو ہمارے ساتھ پولیس اسٹیشن چلنا ہوگا۔اور آپ لوگوں کو بھی۔'' انسپکٹر نے ڈاکٹر سید کی طرف اشارہ کر کے کہا، لیکن جب اس نے گھوم کر دیکھا، تو رؤف غائب ہو چکا تھا۔

''آپ اس طرح کسی کی بے عزتی نہیں کر سکتے۔'' ڈاکٹر سید کو غصہ آ گیا۔

Akram Allahabadi

''ہمیں افسوس ہے، جناب، لیکن پولیس کو یہ معلوم ہو چکا ہے کہ ایک بار وہ آدمی پہلے یہاں آپ سے ملنے آچکا ہے۔'' انسپکٹر نے کہا۔

''میں ایک ڈاکٹر ہوں اور مجھ سے ملنے سیکڑوں آدمی آسکتے ہیں۔''

''یہ آپ وہیں چل کر بتایئے گا۔'' انسپکٹر نے روکھے لہجے میں کہا۔ انھیں انسپکٹر کے ساتھ جانا پڑا۔

''ایک آدمی اور بھی تو تھا ان کے ساتھ ان کے کمرے میں؟'' انسپکٹر نے باہر آکر رؤف کا ذکر کرتے ہوئے کہا۔

''وہ ہمارا آدمی نہیں تھا، شاید ہوٹل کا ہوگا۔'' ڈاکٹر نے بات بنادی۔

☆☆☆☆☆☆

تھوڑی دیر بعد ہی وہ سنٹرل پولیس اسٹیشن میں محکمۂ خفیہ کے انسپکٹر ہردیش کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے اور وہ ہالے کو ہی گھور رہا تھا۔

''آپ لوگ اس شہر میں کیوں تشریف لائے تھے؟'' اس نے ڈاکٹر سے پوچھا۔

''ہمیں اطلاع ملی تھی کہ یہاں کے لوگ ذرا خبطی ہوتے ہیں۔ اور مختلف دماغی کیفیتوں کے ریسرچ کے سلسلے میں ہم نے اس کا اپنا ماڈل سٹی منتخب کیا تھا۔'' ڈاکٹر نے بتایا۔

''کیا اس کیلیے آپ نے سرکاری اجازت حاصل کی تھی؟''

''ہم یہ اپنے طور پر اور اپنی معلومات کیلیے کر رہے ہیں اور اس کیلیے سرکاری اجازت کی ضرورت نہیں۔'' ڈاکٹر نے مصلحتاً جھوٹ بولا۔

''تب مجھے آپ لوگوں کو مشکوک افراد کی لسٹ پر رکھنا ہوگا۔ یہاں شہر میں کچھ عرصے سے باہر سے آئے ہوئے کچھ لوگ غیر قانونی حرکتیں کر رہے ہیں۔'' انسپکٹر نے کہا۔

''آپ جو جی چاہے کریں، ہمیں اپنے کام سے کام ہے۔'' ڈاکٹر سید نے صاف لہجے میں کہا۔

Akram Allahabadi

''اب آپ لوگ جا سکتے ہیں، لیکن پولیس کو اطلاع دیے بغیر آپ نہ مقام بدلیں گے نہ شہر چھوڑیں گے۔''انسپکٹر نے ہدایت کی اور وہ بگڑتے ہوئے موڈ کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے۔

''آپ نہیں، مسٹر، آپ یہیں ٹھہریے۔''وہ بالے سے بولا۔

''آپ انھیں کیوں روک رہے ہیں؟''ڈاکٹر سید نے پوچھا۔

''یہ میرا کام ہے، آپ کا نہیں، آپ تشریف لے جایے۔''انسپکٹر بگڑ گیا۔اور ڈاکٹر نے اسی میں مصلحت سمجھی کہ خموشی سے نکل آئے۔ان کے جانے کے بعد انسپکٹر نے گھنٹی بجا کر چپراسی کو طلب کیا اور اسے کسی سب انسپکٹر کو بلا کر لانے کی ہدایت کی۔

''مسٹر ہنٹر، آپ کیا کرتے ہیں؟''وہ تب تک اس سے سوالات کرنے لگا۔

''میں اپنا باپ دادا کی کمائی پے مجا کرتا ہائے۔آپ کو کائے کو چھ کو چھ ہوتا ہائے۔'' بالے نے جیب سے عینک نکال کر اسے صاف کرتے ہوئے کہا۔

اتنے میں سب انسپکٹر آ پہنچا۔

''دیکھو، تم دو آدمی لے کر ان کے ساتھ ان کی قیام گاہ پر جاؤ اور ان کے کاغذات چیک کرو۔''انسپکٹر نے آفیسر کو ہدایت کی۔

''یس، سر۔''

''کاغذات اگر صاف ہوں تو ان سے معذرت کر لینا، نہیں تو انھیں واپس لانا۔''وہ بولا۔

''او کے، سر۔''سب انسپکٹر نے ایڑیاں بجائیں اور بالے خود اٹھ کھڑا ہوا۔

اس نے اس وقت بے سوچے سمجھے ڈاکٹر زیٹل کے گھر کا پتا بتا دیا تھا، لیکن صرف سڑک کا ہی نام لیا تھا، ورنہ وہ لوگ گھر کے نام سے فوراً جان جاتے۔

پولیس کی کار جب اس نے ڈاکٹر زیٹل کے بنگلے کے دروازے پر رکوائی تو آفیسر

بول پڑا۔ "یہ تو ڈاکٹر زیٹل کا بنگلہ ہے۔" وہ چونک کر بولا۔

"ہاں، ہم ادھر ہی ٹھہرا ہائے۔ آپ کو کوئی اعتراض ہے؟"

"تو یہ آپ نے وہیں کیوں نہیں بتایا؟"

"کائے کو، ام پولیس اسٹیشن میں ڈاکٹر کا نام لے کر اس کا انسلٹ نہیں کرانے سکتا۔" بالے نے کہا۔

انسپکٹر اب اس سے مرعوب نظر آنے لگا۔ بالے نے جو کچھ کہا تھا وہ ایک عجیب سی موہوم سی امید پر کہ شاید کیٹی اسے اس وقت قیام گاہ پر مل جائے۔ ڈاکٹر زیٹل کا تو یہ ڈسپنسری کا وقت تھا اور اس کا اندازہ صحیح نکلا۔ اندر مالی تو پولیس کی گاڑی کو دیکھتا ہی رہ گیا، لیکن برآمدے سے برآمد ہونے والی کیٹی ہی تھی۔ وہ سوالیہ نظروں سے انھیں دیکھنے لگی۔

"ہیلو، مس کیٹی۔" بالے خود ہی اس کی طرف بڑھ گیا۔ ان لوگوں کو کچھ مغالطہ ہوا ہے۔" وہ اسے آنکھ مارتے ہوئے بولا۔ کیٹی اسے پہچاننے کی کوشش کرنے لگی۔ "ام بولا ام مسٹر ہنٹر ہے، ای جیری والا ہوی لوگ ام سے پاسپورٹ مانگتا ہائے۔" بالے نے 'نام ای' کے الفاظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"اوہ، انسپکٹر، یہ تو ہمارے مہمان ہیں۔" کیٹی نے چونک کر انسپکٹر سے کہا۔

"آئی ایم ساری، مس زیٹل۔ یہ پہلے ہی بتا دیتے تو میں ان کے ساتھ یہاں تک نہ آتا۔" انسپکٹر نے معذرت چاہی۔

"معاف کیجیے گا، مسٹر ہنٹر۔" وہ یہ کہہ کر پلٹنے لگا۔

"ماف کیا، ماف کیا۔" وہ بڑبڑاتا رہا اور پولیس کار واپس چلی گئی۔

"ہُم تو یہ تم ہو۔" کیٹی نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔ "لیکن اس شہر میں تم اس میک اپ میں بھی ان کی نظروں سے نہیں بچ سکتے۔" وہ برآمدے کی طرف چلتے ہوئے کہنے لگی۔

"دیکھا جائے گا، بہرحال اس مہربانی کیلیے شکریہ۔"

Akram Allahabadi

''تم نے میری پوزیشن خطرے میں ڈال دی ہے۔'' وہ بڑبڑانے لگی۔''تمہاری بجائے حیدر کی لاش ملنے سے ڈاکٹر گلبرٹ کے غصے کا پارہ چڑھ گیا ہے۔اب تم کہیں بھی ڈھونڈ کر مار دیے جاؤ گے۔'' وہ سرگوشی کے لہجے میں کہنے لگی۔

''اگر آپ مجھے صرف اس تنظیم کے بارے میں بتا دیں تو میں اس شہر سے جا سکتا ہوں۔'' بالے نے اس سے کہا۔

''میں نہیں سمجھتی کہ تم ایسا کر سکو گے۔آج تو تمہارے میک اپ نے تمہیں بچا لیا، لیکن میں کہہ چکی ہوں کہ سپر یمو کی آنکھیں اس شہر کے ہر در و دیوار سے جھانکتی ہیں۔'' وہ بولی۔

''تم اگر اپنی اور میری خیریت چاہتے ہو تو اسی وقت یہ شہر چھوڑ دو۔'' اس نے مشورہ دیا۔

''مجھے صرف اس تنظیم کے بارے میں بتا دیجیے، میں چلا جاؤں گا۔''

''میں تنظیم کی وفادار ہوں، یہ ناممکن ہے۔ہاں یہ سن لو کہ تم جو کوئی بھی ہو، جس کیلیے کام کر رہے ہو، سپر یمو کی پر اسرار طاقت کے سامنے تمہاری حیثیت ایک چیونٹی سے زیادہ نہیں ہو سکتی۔اور وہ دن دور نہیں جب اس کے اقتدار کے سامنے تمہارے سر جھک جائیں گے۔''

''اس کے ذرائع کیا ہیں؟''

''اس کا ایک اشارہ سارے شہر کو ایک پاگل خانے میں تبدیل کر سکتا ہے۔'' وہ روانی میں کہہ گئی۔

''بس بس، اتنا ہی کافی ہے۔'' بالے نے جلدی سے کہا۔

''اوہ، تو تمہارا مقصد حل ہو گیا، تم جاؤ، اب فوراً چلے جاؤ۔'' وہ ادھر ادھر دیکھتے ہوئے گھبرا کر بولی۔

''او کے، بے بی، ٹا ٹا۔'' بالے نے پلٹتے ہوئے کہا اور تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا باہر نکل گیا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

باس بالجبر

وہ آدمی شوکت کے سوا دوسرا نہیں ہوسکتا تھا، لیکن وہ کار تو شوکت کی تھی نہیں اور نہ ہی وہ اس دن کار سمیت نظر آیا تھا۔ ممکن ہے اس نے یہاں آ کر خرید لی ہو۔

ٹریفک پولیس کے کانسٹیبل نے چوراہے پر داہنی سمت کی ٹریفک روک دی تھی اور بائیں سمت کی گاڑیوں کو گزرنے دیا جا رہا تھا اور رکی ہوئی گاڑیوں میں سب سے آگے ایک اسپورٹس کار تھی جسے ایک گوری چٹی خوبصورت لڑکی ڈرائیو کر رہی تھی۔ اس نے چست بلاؤز پر جس پہن رکھی تھی اور اس کے سینے کا پرکشش ابھار خود کانسٹیبل کو بھی بار بار اس کی طرف دیکھنے پر مجبور کر رہا تھا۔ اور اس کی کار کے پیچھے ہی شوکت کی کار تھی۔ اس کے ہاتھ اسٹیئرنگ پر تھے اور نظریں لڑکی پر۔ موقع غنیمت تھا، بالے نے چپکے سے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولا اور اندر بیٹھ گیا۔ شوکت کے فرشتوں کو بھی خبر نہ ہوئی۔ وہ تو اس کے جلووں میں کھویا ہوا تھا۔

ٹریفک کانسٹیبل نے جب راستہ دیا تو لڑکی نے کار اسٹارٹ کر دی اور شوکات نے اپنی کار اس کے پیچھے لگا دی۔ اس لڑکی نے ایک بار گھوم کر دیکھا اور شوکت کو اس طرح اپنی طرف دیکھتے دیکھ کر چڑانے کے انداز میں دانت نکال دیے۔

''ہے ہے، کیا موتیوں کی لڑی ہے، جیسے انار کے دانے۔'' شوکت جھرجھری لے کر بڑبڑایا۔

''انار کے دانے اور موتیوں میں بہت فرق ہوتا ہے۔'' بالے نے پیچھے سے کہا۔

''ہوتا ہوگا، خدکے سے۔'' شوکت روانی میں کہہ گیا، مگر جب اسے خیال آیا کہ آواز پچھلی نشست سے ہی آئی تھی تو وہ اچھل کر پیچھے دیکھنے لگا۔ اس میک اپ میں اس سے تو سوسال بھی نہ بچایا جا سکتا تھا۔ وہ حیرت سے اسے دیکھنے لگا۔

''اے لو، کون ہو خاں تم؟''اس نے حیرت زدہ لہجے میں پوچھا۔ وہ اسے کوئی مہذب قسم کا انگریز ہی معلوم ہوا تھا۔

''گاڑی سیدھی چلاؤ۔''بالے نے اسے اسٹیئرنگ سنبھالنے کا اشارہ کیا۔

''نہیں چلاتا جاؤ۔تمہارے باپ کی گاری ہے کیا؟ اے لو، مان نہ مہمان میں تیرا مہمان۔''شوکت کو غصہ آ گیا۔

''ادھر دیکھو، اس لڑکی نے گاڑی روک لی ہے۔''بالے نے اس کی توجہ فوراً اس لڑکی کی طرف گھما دی۔ واقعی اس لڑکی نے آگے جا کر گاڑی روک لی تھی اور گاڑی سے اتر کر شاید اس کا انتظار کر رہی تھی۔اس کے چہرے پر غصے کے آثار تھے۔

''گاڑی روکیے۔''وہ چلائی اور شوکت نے گاڑی روک لی۔

''کیا میرے ڈرائیور سے کچھ گستاخی ہوئی؟''بالے پیچھے سے سر باہر نکال کر بولا۔

''اوہ، تو یہ ڈرائیور ہے آپ کا۔''لڑکی نے شوکت کو کھا جانے والی نگاہوں سے گھورتے ہوئے کہا۔

''کون...؟ یانی کون ڈرائیور...؟ یانی کس کا...؟''شوکت کچھ جھنجلا گیا۔

''معاف کیجیے گا، میڈم، یہ آدمی ذرا کریک ہے، کوئی حرکت اس سے ہوئی ہو تو خیال نہ فرمایے۔''بالے نے اس سے معذرت چاہتے ہوئے کہا۔

''ارے، یانی مینڈم، یہ سالا کوئی چار سو بیس ہے۔ یہ کار میری ہے، آپ جانے کیا سمجھ رہی ہیں۔''شوکت نے اسے سمجھانا چاہا۔

''شٹ اپ۔''بالے نے اسے ڈانٹ دیا۔''میں اتنی اردو سمجھتا ہوں، کان پکڑ کر نکال دونگا نوکری سے۔''بالے نے شوکت کو ڈانٹا۔

''اے لو، چوری اوپر سے سینہ زوری۔ ابے اتر و میری گاڑی سے، سالے شٹ اپ کی دم۔ڈمل شٹ اپ۔''شوکت کو غصہ آ گیا۔

Akram Allahabadi

''واقعی آپ کا ڈرائیور پاگل معلوم ہوتا ہے۔''لڑکی نے کہا۔''ورنہ میں سمجھی تھی کہ یہ امپوریم سے میرا پیچھا کر رہا ہے، میں اس کی خاصی مرمت کرنے والی تھی۔''لڑکی نے بالے سے کہا۔

''اے لو، ان کی بھی سنو۔''شوکت نے اپنا سر تھام لیا۔''یہ سالا شہر ہے کہ رائے بریلی ہے؟''

''تمہیں اب بریلی ہی بھیجنا پڑے گا شاید۔''بالے نے اسے اور تپا دیا۔

''تم خد جاؤ گے سالے انشاءاللہ۔سالے انگریز ہو کے ایسی حرکت کرتے ہو۔''

شوکت جھنجلاہٹ میں اس کے سر پر مارنے کیلیے کوئی چیز ڈھونڈنے لگا۔

''میڈم، مجھے ڈبلو ڈبلو ہنٹر کہتے ہیں، میں یہاں کے یادگار رزیڈنسل ہوٹل میں رہتا ہوں۔''بالے نے اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا۔شوکت کی طرف سے وہ ایسی لاپرواہی برت رہا تھا جیسے کوئی اپنے نوکر سے برتتے۔

''میرا نام شوبھنا رائے ہے۔میرے پتا جی یہاں آبزرویٹری کے ڈائرکٹر ہیں۔''لڑکی نے بتایا۔وہ اب اپنی کار کی طرف بڑھنے لگی۔

''بہت خوشی ہوگی مجھے ان سے مل کر، اچھا۔ڈرائیور، گاڑی بڑھاؤ۔''بالے نے شوکت کو حکم دیا اور شوکت کی کھوپڑی غصے سے چٹکنے لگی۔لڑکی نے اپنی کار اسٹارٹ کر دی تھی وہ ہاتھ ہلاتی ہوئی کار لے کر چل دی۔

''کون ڈرائیور ہے، بے۔ میں کہ تم کہ تمہارا باپ؟ اتر و میری گاڑی سے۔''شوکت لڑنے پر آمادہ ہو گیا۔

''نہیں اتروں گا۔''بالے اکڑ گیا۔

''ابے، تمہارے تو فرشتے اتریں گے، سالے چڑی کے اٹھے۔''شوکت کا غصہ قابو سے باہر ہونے لگا۔

Akram Allahabadi

''عجیب احسان فراموش آدمی ہو، ایک تو میں نے تمہارا باس بن کر تمہاری کھوپڑی گنجی ہونے سے بچالی، اوپر سے نخرے۔ بیٹے، وہ اتنے سینڈل مارتی کہ بغیر استرے کے حجامت ہو جاتی۔''

''ہاں جاؤ ہو جاتی، تمہیں کس نے کہا تھا ہمدردی کرنے کو؟''

''ہائے، یہ نیکی کا زمانہ ہی نہیں ہے۔'' بالے سرد سانس کھینچ کر بولا۔

''او میاں نیکی کے ٹھیکیدار، چلو اب نیچے اترو، نہیں تو پولیس کو بلاتا ہوں۔''

''اخاہ، اور تم نے یہ بھینسے جیسی جسامت کیا ہوا بھر کر بنائی ہے؟''

''ابے ہاں جاؤ بنائی ہے، میں شریف آدمی ہوں، نہیں تو قانون کو ہاتھ میں لے کر وہ بوغدے لگاتا تمہارے کہ تمہیں دن میں عزرائیل خاں نظر آنے لگتے۔'' شوکت نے اپنے تئیں اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کیا۔

''یہ عزرائیل خاں تمہارے سگے ہیں کیا؟'' بالے نے پوچھا۔

''ہوں گے تمہارے خد، ملک الموت کی شان میں بدتمیزی کی تو اللہ میاں کان پکڑ کے جہنم میں بھیج دیں گے۔'' شوکت نے اسے ڈرایا۔

''تم اس لڑکی کا پیچھا کر رہے تھے؟'' بالے نے پوچھا۔

''ہاں تو پھر؟ تم کیا اس کے سگے منگے ہو، یا نی بھائی صاحب وغیرہ کچھ۔ چلو اترو گاڑی سے۔'' شوکت آگے سیٹ پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ ''سالا شہر ہی سب پاگلوں کا ہے، جس کو دیکھو، بھیجا غائب۔''

''مجھے اپنے گھر لے چلو۔''

''اے لو، سالے آسمان پے ہی چڑھ گئے۔ ابے، اترو نیچے۔''

''نہیں اترتا۔''

''اترو، سالے، تم انگریز منگریز نہیں ہو، کوئی اٹھائی گیرے ہو۔''

Akram Allahabadi

''ہائے، یہ احسان کا زمانہ ہی نہیں ہے، میں نے تمہاری عزت بچائی اور تم مجھے گاڑی سے اتار رہے ہو۔''

''ابے جاؤ، ایک تو لونڈیا کو بھڑکا دیا، اوپر سے چلے احسان جتانے۔''

بالے گاڑی سے اتر کر کھڑا ہو گیا اور شوکت نے بڑبڑاتے ہوئے گاڑی چلا دی۔ بالے پھر گاڑی میں چڑھ گیا، لیکن اس بار اس نے خود کو پچھلی سیٹ کے برابر کی خلاء میں چھپا لیا تھا۔

شوکت کی گاڑی کئی سڑکوں سے ہوتی ہوئی ایک اوسط درجے کی آبادی میں داخل ہو کر ایک احاطے دار مکان کے سامنے رک گئی اور وہ اس میں سے اتر کر غصے میں دروازہ زور سے بھیڑتا ہوا دروازے میں داخل ہو گیا۔ بالے نے بھی اس کی پیروری کی۔ مکان اندر سے اوسط قسم کا اور صاف ستھرا تھا۔ اس کے دالان میں ہی جو آدمی نظر آیا، وہ اسے غور سے دیکھنے لگا۔ یہ وہی داڑھی والا آدمی تھا، جس سے ایک بار راستے میں اس کی ٹکر ہوئی تھی۔

''کیوں؟ کیا ہوا؟'' اس آدمی نے شوکت کو دیکھتے ہی پوچھا۔

''میں اس کے پیچھے ہی جا رہا تھا کہ ایک سالا انگریز بیچ میں ٹپک پڑا اور اس نے سارا کام گڑبڑ کر دیا۔'' شوکت نے بتایا۔

''انگریز...؟'' اس آدمی نے چونک کر پوچھا۔

''ویل، ام اِدر بھی ٹپکا ہوا ہے۔'' دروازے کی طرف سے آواز آئی اور وہ دونوں چونک پڑے۔

''ابے جما خان، تم کو میں نے حقہ بھرنے کو بولا نا۔'' شوکت نے جلدی سے لہجہ بدل دیا۔

''گستاخی معاف کرنا، خان صاحب۔'' دوسرا جملہ اس نے آہستہ سے کہا۔

''حقہ تو تمہارے باپ بھی نہیں پیتے تھے کبھی۔'' بالے یہ کہتا ہوا قریب آنے لگا۔

''ا لے لو، پائی جما خاں، تم دیکھ رہے ہو۔ سالا بغیر اجازت گھسا آ رہا ہے۔''

''ابے پکڑ و نا۔'' شوکت چلایا۔ ''پائی ابے جناب، پکڑیے نا سالے کو۔'' اس نے پھر آہستہ سے جملے کی اصلاح کر دی۔

''تمھیں منع کیا تھا میں نے، یہاں تک پہنچنے کی حماقت کیوں کی تم نے؟'' خان آنے والے پر جب بگڑا تو شوکت حیرت سے دونوں کی شکلیں دیکھنے لگا۔

''پائی آپ بھی ہوئے پاگل؟'' اس نے سر تھام لیا۔

''مجھے کیا معلوم تھا کہ آپ ایک گدھے کے ساتھ قیام فرما ہیں۔'' بالے نے ذرا بلند آواز میں کہا۔

''اب سمجھا، تو یہ پائی شاندار گدھے کا اشارہ میری طرف ہے۔ لانت ہے میری شخصیت پے بھی جو ساتھ دیتا ہوں اور بے عزتی کراتا ہوں۔'' شوکت نے احتجاج کیا۔ ''پائی اب یہ سالا انگریز بھی مجھے گدھا کہہ کر نکل جائے اور آپ دیکھتے رہیں۔''

''ڈیئر سکھت، صرف گدھے ہی گدھا کہنے سے برا مانا کرتے ہیں۔'' بالے نے کہا اور شوکت اس اندازِ تخاطب پر چونک کر اسے غور سے دیکھنے لگا۔

''اے لو، میں تو سمجھا تم کوئی انگریز منگریز ہو، لاحول ولا قوۃ، کھودا پہاڑ نکلے بہروپیے۔'' شوکت نے اطمینان کی لمبی سانس کھینچ کر کہا۔

''مجھے اس لیے ادھر آنا پڑا کہ سر دست میرے لیے کوئی جائے قیام نہیں ہے۔ پولیس مجھے تلاش کر رہی ہے اور ڈاکٹر سید کی قیام گاہ اور ہوٹل ۱۹۸۰ء دونوں میرے لیے جا چکے ہیں۔'' بالے نے بتایا۔

''ہُم، میرا خیال ہے اب ہمیں کھل کر سامنے آجانا چاہیے۔ وہ ضرور اب کوئی بڑا اقدام کریں گے۔'' خان نے کہا۔

''تو پھر؟''

Akram Allahabadi

''خیر، تم یہیں ٹھہرو، میں بعد میں بتاؤں گا کیا کرنا ہے۔''

''مگر شوکت بھائی، یہ کار کہاں سے مل گئی تمھیں؟'' بالے نے شوکت سے پوچھا۔

''اللہ شکر خورے کو ہر جگہ شکر دیتا ہے، تمھیں کاہے کی فکر پڑی ہے، میاں خاں۔''

''کسی کی لے تو نہیں بھاگے اس لیے پوچھ رہا ہوں۔''

''اور لو، میں کوئی پانی کورا کچا، لاحول ولا قوۃ، چورا چکا ہوں۔ میاں خاں، ذرا آدمی دیکھ کے بات کیا کرو۔'' شوکت نے برا مان کر کہا۔

''کرائے پر لی ہے انھوں نے یہاں سے۔'' خان نے جواب دیدیا۔ ''یہ دراصل اپنی کار ست تمہاری تلاش میں آ رہے تھے، میں نے سوچا کہیں تمہارا کام نہ بگاڑ دیں، اس لیے اپنے ساتھ لے لیا۔'' خان نے بالے کو بتایا۔

''شوکت بھائی کو بہت محبت ہے مجھ سے۔'' بالے نے شوکت کی تعریف کی۔

''ہوشت، میاں خاں تم کوئی وہ ہو، پانی جو تم سے موجبت ہوگی۔ لاحول ولا قوۃ۔'' شوکت نے برا سا منہ بنا کر کہا جیسے اسے قے آ رہی ہو۔

''یہ یہاں شاعری بھی فرماتے ہوں گے۔'' بالے خان سے بولا۔

''ہاں، جا کو فرماتے ہیں، پھر تمہارا اجارہ۔ ایک خان صاحب ہیں اتنے سخن پرورش اور منشی قابل لائق فائق اور ایک آپ ہیں سالے کہ بھینس کے آگے بین بجاؤ اور وہ سالی پڑی پگرایا کرے۔''

''بھئی، تم ان سے بات کرو، مجھے ذرا فون کرنا ہے۔'' خان انھیں چھوڑ کر چلا گیا۔

''تم بالے بھائی، بھوت سور، اللہ قسم۔'' خان کے جاتے ہی شوکت بالے سے لڑ پڑا۔

''کیوں؟ میں نے کیا کیا ہے؟'' بالے نے معصوم بننے کی کوشش کی۔

''اہاہا، بڑی بی ماسوم (معصوم)، جیسن پانی میں کیا جانوں چو ہے کیا ہوتے ہیں۔

اس لونڈیا کو اڑا دیا پھر سے اور بنتے ہیں بیچارے بھوت ہمدرد۔ ہشت، میا مطلبیے۔"

"تم اس کا پیچھا کیوں کر رہے تھے؟"

"خان صاحب نے ہی مجھ سے کہا تھا۔"

"تم تو ہو گدھے۔ اچھا کیا کہا تھا؟"

"گدھے تم خد، میاں خاں، اور کہا تو یہ تھا کہ شوکت میاں یہ لڑکی ہے تو تمہارے لائق، پتا چلاؤ تو تمہارا پیغام بھیج دیا جائے۔"

"وہاٹ...؟" باؔلے کا قہقہہ چھوٹ گیا۔

"اے لو، تو اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے۔ کیا میں عمر رسیدہ مَیں، یانی بالغ مَیں ہوں؟ میاں خاں، اس عمر میں دو دو شادیٔں کر لیتے ہیں لوگ۔" شوکت نے وضاحت پیش کی۔

"اور تم ایک بھی نہ کر سکے۔"

"یار، تم ضرور کوئی نادرمتی مَیں تو اور رت ڈلہ ہو، یانی خود ہی پڑھلیا، شوکت بھائی، شادی کبھی نہ کرنا، مَیں تو کھونٹے سے بندھ کے رہ جاؤ گے، اور اب تانے (طعنے) دیتے ہو۔"

"کنوارا تو میں بھی ہوں نا اب تک۔" باؔلے نے اپنی مثال دی۔

"پولیس والوں کو تو کنوارے رہنا ہی چاہیے، ولّا جانے کب ٹکٹ کٹ جائے تو کون یتیم بیواؤں کو سنبھالے گا۔"

"میں دیکھ رہا ہوں کہ آج کل تم بہت عقلمند ہوتے جا رہے ہو۔"

"اور مَیں تو کیا ٹھیکہ لے رکھا ہے بیوقوفی کا۔ میاں خاں، عقلمند مَیں ہوتا تو آج لاکھوں میں مَیں کھیلتا۔ اپنی کیو (کہو) جو سارجنٹ پیدا ہوئے اور انشاءاللہ سارجنٹ ہی مرو گے۔"

"اگر میں اس وقت تمہیں بچا نہ لیتا تو بہت جوتے پڑتے تمہارے، وہ بھی مارتی اور

Akram Allahabadi

پبلک بھی اس نیک کام میں دل کھول کر چندہ دیتی۔''

''لو، پبلک چندا کائے کو دیتی، اللہ نہ کرے میں کوئی کڑکا مفلس ہوں؟''

''میرا مطلب ہے اس لڑکی کا ہاتھ بٹاتی۔''

''ہونہہ، بھوت دیکھے ہیں سالے ہاتھ ماتھ بٹانے والے، میں بھی کسی سے کم نہیں ہوں، کلاجنگ سیکھ چکا ہوں، دھوبی پچھاڑ بھی آتا ہے۔''

بات یہیں تک پہنچی تھی کہ باہر کا دروازہ ایک جھٹکے سے کھلا اور رؤف گھبرایا ہوا سا اندر داخل ہوا۔

''ارے تم، رفو بھائی، غائب کہاں ہو گئے تھے؟''

''خان صاحب کہاں ہیں؟'' رؤف نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''کیوں؟''

''ڈاکٹر سید اور ان کے ساتھی...'' وہ پھولی ہوئی سانس کے ساتھ بولا۔''ان کا پتا نہیں۔سنٹرل پولیس اسٹیشن سے معلوم ہوا کہ وہ ہوٹل کی طرف ہی آئے تھے، مگر ان کا پتا نہیں ہے، میں نے سارا شہر چھان مارا ہے۔'' رؤف نے بتایا۔

''خان صاحب ابھی آتے ہیں، کسی کو اندر فون کر رہے ہیں، تم بیٹھو۔'' بالے نے کہا۔

''بالے بھائی، یہ ماملا کیا ہے آخر، اپنی تو سمجھ میں کچھ نہیں آرہا ہے؟'' شوکت نے بالے سے پوچھا۔

خان نے شاید خود ہی ان کی گفتگو سن لی تھی۔وہ خود باہر نکل آیا۔

''وہ لوگ تم سے پہلے ہی نکلے تھا نا وہاں سے؟'' خان نے بالے سے پوچھا۔

''آپ کو کیسے معلوم؟'' بالے نے جواب دینے کی بجائے سوال کر ڈالا۔

''اگر میں اپنی آنکھیں کھلی نہ رکھوں تو کہیں بھی تمہارا بیڑہ غرق ہو سکتا ہے۔'' خاں

نے جواب دیا۔

''لیکن ان لوگوں کا کیا ہوگا؟''

''میرے آدمی غافل نہ ہوں گے، کوئی نہ کوئی اطلاع آیا ہی چاہتی ہے۔ میں ان میں سے بعض کو فون پر کنٹکٹ کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔''

''کیا آپ کے خیال میں ڈاکٹر گلبرٹ ہی سارے فساد کی جڑ ہے؟'' بالے نے خان سے پوچھا۔

''اس کے خلاف بظاہر کوئی الزامات نہیں عائد کیے جا سکتے۔ اس شہر میں اس کا اس قدر اثر ہے کہ وہ چاہے تو بغاوت پھیلا سکتا ہے۔''

''کیا آپ اب بھی نہ بتائیں گے کہ یہ کیا چکر ہے؟''

''کوئی ایک پراسرار طاقت ان حالات کے پیچھے بڑے اطمینان اور خود اعتمادی سے اپنا کام کر رہی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ وہ عام انسانوں میں صرف ذہنی انتشار پیدا کر سکتی ہے بلکہ ان پر مینٹل کنٹرول بھی حاصل کر سکتی ہے۔'' خان نے کہا۔

''وہ کس طرح؟'' بالے نے پوچھا۔

''اگر تم سردار اسمٰعیل کا واقعہ نہیں بھولے تو خود سمجھ لو۔ میں نے خود اس مقام کا معائنہ کیا تھا، جہاں اس کی لاش لٹکی ہوئی پائی گئی تھی اور یہ حقیقت ہے کہ اس کے پیرو کے نشانات کے سوا نہ وہاں کوئی اور نشانات تھے اور نہ ہی کار کے قریب۔ وہ درخت پر چڑھ کر ہی اوپر سے لٹکا ہوگا، کیونکہ کار دور کھڑی تھی، اور وہ تحریر بھی اس کی تھی جو پوکیس کو دستیاب ہوئی ہے۔''

''یہ کیسے معلوم ہوا آپ کو؟''

''اس کا فوٹو دوسرے دن اخباروں میں چھپا تھا اور میں اس کی بھی تصدیق کرا چکا ہوں۔ اس کے علاوہ خود سردار اسمٰعیل اپنی وصیت کی ایک کاپی اپنے مشیر قانونی کے پاس رکھوا

چکا تھا۔''

''کیا آپ کے خیال میں ڈاکٹر کے آدمی سنٹرل پولیس اسٹیشن میں بھی موجود رہے ہوں گے؟''

''میں سمجھ رہا ہوں کہ تمہارا اشارہ انسپکٹر ہردیش کی طرف ہے، مگر نہیں وہ ڈاکٹر کا احترام ضرور کرتا ہے اور اسے عظیم شخصیت سمجھ کر اس سے عقیدت بھی رکھتا ہے، مگر وہ ایسا گدھا قسم کا آدمی ہے کہ اس سے کسی غیر قانونی حرکت کی توقع نہیں کی جا سکتی۔''

''تو اس کا یہ مطلب ہے کہ اسے ہمارے یہاں ہونے کا علم ہے۔''

''پہلے تمہاری آمد سے اس کے آدمیوں کو شبہ ہوا تھا، کیونکہ تم نے حرکتیں عجیب عجیب کی تھیں اور تب سے تمہاری طرف ان کی توجہ ہو گئی تھی۔ پھر انھیں ڈاکٹر وغیرہ کے آنے کی خبر ملی جس کا شبہ غالباً اس تار سے ہوا ہوگا۔ ہو سکتا ہے کہ ہمارے شہر تک ان کے ذرائع موجود ہوں۔ بہر حال کسی صورت بھی، یہاں موجودگی ان کے علم میں ہے اور ان کے آدمی ہمیں ہر جگہ تلاش کر رہے ہیں۔'' خان نے بتایا۔

''تو کیا وہ ہمیں اتنا خطرناک سمجھے ہیں؟''

''پہلے نہیں سمجھتے تھے، لیکن ان کی سرگرمیاں اندر ہی اندر زیادہ بڑھ گئیں اس خیال سے اس رات میں نے خود ہنگامہ ڈاکٹر کے بنگلے میں کھڑا کیا تھا۔ کتے دراصل میرے ہی پیچھے بھاگے تھے، مگر سامنے تم پڑ گئے۔ چنانچہ تب سے وہ چونک اٹھے اور پھر تمہارا دوبارا ان کے ہاتھ سے نکل جانا، انھیں ہم راور زیادہ توجہ صرف کرنے پر مجبور کر دیگا۔'' خان نے اسے بتایا۔ شوکت اور رؤف دور ہی بیٹھے تھے۔

''تو پھر آپ ان کے خلاف قانونی قدم کیوں نہیں اٹھاتے؟''

''بیٹے، یہ بمبئی نہیں ہے، یہاں ہم بغیر اختیارات کے کام کر رہے ہیں اور یہ نہ بھولو کہ یہاں کی پولیس اور حکام بھی ڈاکٹر گلبرٹ کے بڑے معتقد ہیں۔ صرف یہاں کا کلکٹر کچھ

مختلف قسم کا آدمی نظر آتا ہے، کیونکہ اس نے ڈاکٹر گلبرٹ کے بیان کے باوجود سردار اسمٰعیل کی موت پر سرکاری تعطیل نہیں ہونے دی تھی، بلکہ سرکاری طور پر کسی قسم کا اظہارِ افسوس بھی نہیں کیا گیا۔"

"مگر اس سے ہوتا کیا؟"

"کیوں نہ ہوتا، اس کا مطلب یہ ہوتا کہ یہاں کی حکومت بھی ڈاکٹر گلبرٹ کے اشاروں پر ناچتی ہے۔ پھر اصل معنوں میں عوام کی طاقت ڈاکٹر گلبرٹ کے ہاتھوں میں سمٹ جاتی اور قانون کی کوئی حقیقت نہ رہ جاتی۔" خان نے بتایا۔

"تو گویا آپ خاموش نہیں بیٹھے ہیں؟"

"بیٹے، مصروفیتیں ہی میری زندگی ہیں۔"

"خدا آپ کو ہمیشہ مصروف رکھے، مگر اپنے اس بندے کو چھوڑ کے۔"

"کاہل لوگ کبھی دنیا میں عروج نہیں پاتے۔"

"مگر یہ تو بتایئے، آخر ہم غیر سرکاری حیثیت سے یہاں کیوں آئے ہیں۔ میرا مطلب ہے ہمیں کسی کے پھٹے میں ٹانگ گھسیڑنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟"

"اس لیے کہ مرکزی حکومت کو کسی ایسی خارجی طاقت کے خوفناک ارادوں کی ایک خفیہ اطلاع ملی ہے جو اس ملک کا نظام درہم برہم کر کے اس پر اپنا تسلط قائم کرنا چاہتی ہے اور اس خطرناک سازش کا صدر مقام جنوبی ہند میں ہی کہیں بتایا گیا ہے۔ دراصل قاضی آباد کے نزدیک کہر میں ایک پہاڑی سے ٹکرا کر تباہ ہو جانے والے ایک غیر ملکی طیارے سے ایسے کچھ کاغذات برآمد ہوئے تھے، جن سے ہمارے فوجی محکمہ کی سیکرٹ سروس نے یہ نتائج اخذ کیے۔ چنانچہ جنوبی ہند میں یہ کاروائی بڑے رازدارانہ طریقے پر ہمارے سپرد کی گئی ہے۔"

"اوہ، تو یہ اتنا بڑا چکر ہے۔"

"جو بظاہر حماقتوں کا چکر معلوم ہوتا ہے، اس پراسرار طاقت کے ایجنٹوں نے غالباً

اسی شہر کو اپنے پلان کا ماڈل سٹی قرار دیا ہے۔"

"لیکن یہ شبہ کیسے ہوا آپ کو؟"

"اخبارات میں اس شہر کے باشندوں کے بارے میں عجیب روایات کا حال پڑھ کر اور یہاں پہنچ کر میں نے جو کچھ دیکھا ہے وہ اس شبے کی تصدیق کیلئے کافی ہے۔ یہاں لوگ رفتہ رفتہ ایک خاص قسم کی ذہنی بیماری میں مبتلا ہو کر ڈاکٹر گلبرٹ کے مشوروں کے غلام ہوتے جا رہے ہیں۔ ڈاکٹر سید کے مشن کو یہی پتا چلانا تھا کہ یہ ان کے ذہنوں پر اثر رفتہ رفتہ اسی غذائیت یا آب وہوا کے ذریعے ہو رہا ہے، یا کسی نامعلوم خارجی عمل سے۔"

"اور ڈاکٹر سید کا مشن اس تحقیق میں ناکام ہو چکا ہے۔" بالے نے کہا۔

"قطعی نہیں، ان کی خفیہ رپورٹ آج ہی مجھے مل چکی ہے۔"

"مگر مجھ سے تو وہ کچھ اور ہی کہہ رہے تھے۔"

"وہ احتیاطی اقدامات ہیں، کیونکہ معلوم ہوا ہے کہ ڈاکٹر گلبرٹ کی آنکھیں، کان یہاں ہر در و دیوار پر لگے ہوئے ہیں۔" خان نے کہا۔

"اوہ، کیٹی بھی مجھ سے یہی کہہ رہی تھی۔"

"کیٹی...؟"

"جی ہاں، اسی کی وجہ سے تو میں آج بچ سکا۔" بالے نے یہ کہہ کر اسے سارا واقعہ سنا دیا۔

"تب ٹھیک ہے۔" خان نے سن کر کہا۔

"کیا ٹھیک ہے؟" بالے نے سوال کیا۔

"یعنی میرا اندازہ کہ وہ اچھی لڑکی ثابت ہوگی۔" خان نے مسکرا کر جواب دیا۔

"ہوگی چہ معنی دارد، مجھے تو اچھی لگتی ہی ہے۔"

"وہ اتنی سطحی لڑکی تو معلوم نہیں ہوتی۔"

Akram Allahabadi

''نہ سہی، میں غوطہ خور بن کر برآمد کرلوں گا اسے۔''

''خیر، بکواس نہیں، اب ہمیں باقاعدہ مقابلے کی تیاری کرنی ہے۔''

''خان صاحب، ہم الّو کے پٹھے کیا آپ کے پرائیوٹ میں داخل نہیں ہوسکتے؟'' شوکت سے نہ رہا گیا اور وہ دور بیٹھے بیٹھے بول ہی پڑا۔ رؤف کی ترجمانی اس نے زبردستی کردی تھی۔

''نہیں نہیں، ایسی تو کوئی بات نہیں، اچھا چلو پہلے چائے پی جائے۔'' خان ہنستا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

☆☆☆☆☆☆

ڈاکٹر سید، ڈاکٹر ورما اور ان کا ملازم تینوں ڈاکٹر گلبرٹ کے سامنے کھڑے تھے اور ان کے دائیں بائیں پستول بدست سیاہ لباس والے آدمی موجود تھے۔ ڈاکٹر گلبرٹ کہہ رہا تھا۔

''تمہارا فون ٹیپ کرایا گیا تھا اور مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم اپنی کوئی خفیہ رپورٹ کسی نامعلوم آدمی کو پہنچا چکے ہو۔ میں اس رپورٹ کی صرف ایک نقل تم سے طلب کر رہا ہوں۔''

''ہمیں کسی رپورٹ وغیرہ کا علم نہیں، ہم تو یہاں محض تفریحاً آئے تھے۔'' ڈاکٹر سید نے پھر جھوٹ بولا۔

''اور تمہارا وہ ساتھی بھی تفریحاً ہی آیا ہوگا جو پولیس کو بھی دھوکا دے گیا ہے اور تمہیں یہ بھی معلوم ہے کہ ہوٹل ۱۹۸۰ء کے منیجر کا قاتل بھی وہی ہے۔'' وہ بولا۔

''ہم کچھ نہیں جانتے۔'' ڈاکٹر سید نے مختصراً کہا۔

''اوہ، تم نہیں جانتے کہ تم کس کے سامنے اس جسارت کا مظاہرہ کر رہے ہو۔'' ڈاکٹر گلبرٹ نے دانت پیس کر کہا۔ ''دیکھنا چاہتے ہو۔'' یہ کہہ کر خود اس نے تالی بجائی اور فوراً ایک طرف کا دروازہ کھل گیا۔ انھیں وہاں ایک اکہرے بدن کا نوجوان آدمی کھڑا نظر آیا۔

Akram Allahabadi

''ارے،تم یہاں کھڑے ہوئے ہو؟''ڈاکٹر گلبرٹ نے اسے دیکھ کر سوالیہ انداز میں کہا۔

''آں...'' وہ جیسے سوتے سوتے چونک پڑا۔''میں کہاں کھڑا ہوں؟ میں تو لیٹا ہوں۔''وہ صاف لہجے میں بولا۔

''نہیں،تمہاری صحت تو اب بالکل اچھی ہو گئی ہے،تم فولاد ہو۔تم چاہو تو اپنے سر کی ٹکروں سے اس دیوار کو توڑ سکتے ہو۔''ڈاکٹر نے کہا۔

''اے ہاں واقعی؟''وہ اپنے سراپا پر ایک نظر ڈاک کر بولا۔

''آزما کے دیکھ لو۔''ڈاکٹر نے اسے مشورہ دیا۔

اور یہ سنتے ہی وہ آدمی دونوں ہاتھوں سے اپنی چھاتی پیٹ کر قہقہہ مار کر ہنسا۔

''میں فولاد ہوں، میں شہزور ہوں۔دھت تری دیوار کی ایسی تیسی، ہٹ جا سامنے سے۔''وہ دیوار کو گھور کر بولا۔''ارے،نہیں ہٹے گی؟''اس نے گویا دیوار کو چیلنج کیا اور پھر کسی جنگلی بھینسے کی طرح دوڑ کر اس زور سے دیوار کو ٹکر ماری کہ اس کا سر بیچ سے پھٹ گیا اور بھیجا نکل پڑا۔وہ وہیں گر کر تڑپنے لگا۔ڈاکٹر سید نے اس کی طرف بڑھنا چاہا۔

''لاحاصل ہے،ڈاکٹر۔''ڈاکٹر گلبرٹ نے اسے روک دیا۔''اسے کسی صورت اگر بچا بھی لیا جائے تو یہ پھر دیوار سے سر ٹکرا ٹکرا کر ختم ہو جائے گا۔''

''کیا اور بھی تماشا ہے تمہاری پٹاری میں؟''ڈاکٹر سید نے اسے جواب دیا۔

''اوہ،اچھا،اور سہی۔''ڈاکٹر گلبرٹ نے منہ بنا کر کہا۔

اس کے آدمیوں نے اپنے پستولوں کے رخ ان کی طرف کر دیے۔وہ آگے نہ بڑھ سکے اور وہ آدمی وہیں تڑپ تڑپ کر سرد ہو گیا۔

''تم درندے ہو،ڈاکٹر گلبرٹ۔کاش،باہر کی دنیا تمہارا اصلی چہرہ دیکھ سکتی۔''ڈاکٹر سید نے غصے میں ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔

Akram Allahabadi

''بس ایک ہی نظارے سے ڈر گئے؟ نہیں، یہ بھی دیکھو۔'' وہ اپنی مٹھی فضا میں لہرا کر بولا اور پھر اس نے چیخ کر کسی کو آواز دی۔

''رانا ڈے۔''

دوسرے لمحے کھلے دروازے سے ایک تندرست سا نیپالی قسم کا آدمی اندر گھس آیا۔ اس کی کمر سے چمڑے کی پیٹی کے ساتھ خنجر لٹکا ہوا تھا۔

''یس، ڈاکٹر۔'' اس نے ٹوٹی انگریزی میں کہا۔

''میں نے تمہارے اگلے جنم کا حال معلوم کر لیا ہے۔ تم اگلے جنم میں نیپال کے پرنس پیدا ہو گے۔''

''پرنس... کب، ڈاکٹر؟ کتنے دن میں؟''

''یہ تم پر موقوف ہے، تم آج مر جاؤ تو کل پیدا ہو سکتے ہو۔''

''پرنس... ہاں پرنس...'' وہ قہقہہ مار کر ہنس پڑا۔ ''ڈاکٹر، میں ابھی مروں گا، اسی وقت مروں گا۔ میں اور زیادہ انتظار نہیں کر سکتا۔ حسین دوشیزائیں محل میں میرا انتظار کرتی ہوں گی۔'' یہ کہہ کر اس نے اپنا خنجر باہر نکال لیا اور اسے بلند کر کے اپنے سینے میں داخل کرنا ہی چاہتا تھا کہ ڈاکٹر سید چیخ اٹھا۔

''ٹھہرو۔'' رانا ڈے کا ہاتھ ایک لمحے کیلیے رک گیا۔

''آج کا دن منحوس ہے۔ تم آج مرے تو تمہیں ایک ہزار سال کا راستہ بیچ میں طے کرنا پڑے گا۔'' ڈاکٹر سید نے کہا۔

''نہیں نہیں، اتنی دیر نہیں، اتنا سفر نہیں، ایسا نا کرو۔'' وہ اس سے التجا کرنے لگا۔

''تم اس وقت اگر اپنی بجائے ڈاکٹر کو بھیج دو تو یہ منحوس گھڑی ٹل جائے گی۔'' ڈاکٹر سید نے کہا۔

''اہا، تو یہ بھی کروں گا۔'' یہ کہہ کر وہ خنجر اٹھا کر ڈاکٹر گلبرٹ پر دوڑ پڑا، مگر اسی وقت

Akram Allahabadi

ڈاکٹر کے ایک آدمی نے گولی چلا دی اور وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔ ڈاکٹر گلبرٹ ڈاکٹر سید کو گھورنے لگا۔

''تو یہی ہو گی تمہاری رپورٹ۔'' اس نے دانت پیس کر کہا۔

''مینٹل بلینک (Mental Blank) آدمی ہر سجیشن (Suggestion) قبول کر سکتا ہے۔'' ڈاکٹر سید نے جواب دیا۔ ''یہ تو تم مداریوں کے شعبدے دکھا رہے ہو۔''

''نانسنس، میں تمہیں بھی ایک سیکنڈ میں مینٹل بلینک کر سکتا ہوں، ڈاکٹر۔ کسی کی ہمت نہیں جو مدافعت کر سکے۔ یہ کوئی ہپناٹزم یا مسمریزم نہیں ہے۔''

اچانک کمرے میں ایک گونج سی پیدا ہو گئی اور ڈاکٹر گلبرٹ اور اس کے آدمی سہم گئے۔ اسی وقت ایک بھاری گونجتی آواز سنائی دی۔

''اسٹاپ دس چائلڈش گیم، ڈاکٹر۔''

''یس، یس سر۔'' ڈاکٹر نے کانپ کر کہا۔

''کل صبح ہمارا پہلا مینٹل پروسس کا تجربہ اس ماڈل سٹی میں ہو رہا ہے اور اس کے بعد ہر انسان ہمارا مطیع ہو گا۔'' وہ آواز پھر سنائی دی۔

''یس، سپریمو۔'' ڈاکٹر نے جلدی سے کہا۔

''صبح ۸ بجے ایک ڈکوٹا پلین یا ایک گلائڈر آسمان پر اڑنا چاہیے، جسے شہر کے لوگ دیکھ سکیں۔'' اس آواز نے کہا۔

''میں انتظام کر دوں گا۔''

''اس تجربے کے بعد تم اس شہر کا نظام اپنے ہاتھ میں لے لو گے۔ طریقِ کار تم سمجھ سکتے ہو۔'' اس نے حکم دیا۔

''یس، سپریمو، میں بالکل تیار ہوں۔''

''ان آدمیوں کو صبح کا منظر دیکھنے کیلیے زندہ رہنے دو، لیکن اس سلسلے میں ان کا فیصلہ

ہو جانا چاہیے۔"

"میں سمجھ گیا۔"

"ویل، سو آن۔"

آواز بند ہو گئی۔ڈاکٹر ان دو آدمیوں کی طرف گھوم پڑا۔

"او کے، باس۔" وہ سر جھکا کر بولے اور پھر انھوں نے اپنے پستول ڈاکٹر سید اور اس کے ساتھی کی پشت سے لگا کر انھیں چلنے کیلیے کہا۔

"ڈاکٹر، تم تو کیا تمہارے فرشتے بھی سپریمو کی پر اسرار طاقت کی آنچ تک نہیں پہنچ سکتے۔" ڈاکٹر گلبرٹ نے ان کے چلتے چلتے کہا۔"تم صبح دیکھ لوگے اس شہر میں کیا ہوتا ہے۔"

"ممکن ہے کل کی صبح تمہاری موت کا پیغام ہی لے آئے۔" ڈاکٹر سید نے پورے سکون اور اعتماد کے ساتھ کہا۔

"بیوقوف، ہاہاہا، مینٹل بلینک، سچویشن... ہاہاہا..." ڈاکٹر گلبرٹ قہقہے مارنے لگا۔پھر اس نے تالی بجائی اور آدمی آ پہنچے۔اس نے انھیں ان لاشوں کا اٹھا کر کہیں گاڑ دینے کا حکم دیا اور دوسرے کمرے میں چلا گیا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

موت کے فرشتے

بالے نے خان کی رزرو فورس کے آدمیوں کو پہلی بار دیکھا، لیکن وہ ان میں سے کسی کو پہچان نہ سکا۔ وہ سب ڈاکٹر گلبرٹ کے بنگلے کے اطراف میں پھیلے ہوئے تھے۔

خان کو اطلاع مل چکی تھی کہ ڈاکٹر سید اور ان کے ساتھیوں کو یہیں لایا گیا تھا اور وہ انھیں ہدایتیں دے چکا تھا کہ وائرلیس پر اس کا حکم پاتے ہی وہ اندر داخل ہو کر اس عمارت کے گوشے گوشے پر قبضہ کر لیں اور جو ملے اسے گرفتار کر لیں۔ لیکن کافی رات گزر جانے پر بھی جب اس نے اپنے آدمیوں کو کوئی حکم نہیں دیا تو ان کو بے چینی ہونے لگی۔ اس سے نہ رہا گیا تو پوچھ بیٹھا۔

''پھر آخر اس محاصرے سے کیا فائدہ؟''

''مجھے ایک رپورٹ کا انتظار ہے۔''

بالآخر تقریباً ساڑھے ۱۱ بجے وہ رپورٹ ٹرانسمیٹر پر موصول ہوئی اور خان کچھ دیر تک اسے کان سے لگائے سنتا رہا، پھر اس نے صرف اتنا کہا کہ ''آپ اطمینان رکھیے، آپ لوگوں کا بال بھی بیکا نہ ہونے دیا جائے گا''۔

''کس کا پیغام تھا؟'' بالے نے پوچھا۔

''ڈاکٹر سید کو میں نے ایک پاکٹ کمیونیکیٹر دیدیا تھا کہ کبھی کوئی ایمرجنسی پیش آئے، یا حالات نازک ہوں تو اس کے ذریعے مجھے مدد کیلیے کال کریں۔''

''پھر؟''

''انھوں نے اطلاع دی ہے کہ وہ ڈاکٹر گلبرٹ کی مضافاتی قیام گاہ کے ہی کسی حصے میں ایک زمین دوز جیل میں قید ہیں اور صبح بجے سے پہلے ان کا فیصلہ نہ ہوگا۔ انھوں نے یہ بھی

Akram Allahabadi

بتایا کہ کسی نامعلوم طاقت نے کل صبح ۸ بجے شہر کے اوپر ایک ڈکوٹا یا گلائڈر اڑانے کی ہدایت ڈاکٹر کودی ہے اور اس وقت شہر میں کوئی اندھیر ہونے والا ہے۔"

"پھر اب کیا ارادہ ہے؟"

"میں کلکٹر سے ملنے جا رہا ہوں، تم ایک بار پھر کیٹی سے کسی طرح ملنے کی کوشش کرو۔ میرا خیال ہے درست ہی نکلا کہ ڈاکٹر گلبرٹ کے پیچھے کوئی نامعلوم طاقت ضرور ہے اور کیٹی تم سے کسی سپر یمو کا ذکر کر چکی ہے۔ اگر وہ اس کے بارے میں کوئی بھی اشارہ دیدے تو ممکن ہے صبح سے پہلے ہم اس کا انتظام کر ڈالیں۔"

"کیا آپ اب بھی یہاں کی پولیس سے مدد نہ لیں گے؟"

"سب کام الٹا ہو جائے گا۔ ڈاکٹر گلبرٹ کے خلاف یہاں کوئی ہماری مدد نہ کر سکے گا۔"

اس کے بعد وہ دونوں میک اپ کر کے دو مختلف سمتوں میں روانہ ہو گئے۔ خان شوکت کی گاڑی لے گیا تھا، اس لیے بالے کو ٹیکسی کام میں لانی پڑی اور شوکت اور رؤف کو وہیں چھوڑ دیا گیا۔ شوکت سو رہا تھا اور رؤف کو ہدایت کر دی گئی تھی کہ اگر فون یا وائرلیس پر کوئی پیغام آئے تو نوٹ کر لے۔

بالے کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیٹی سے کس طرح ملاقات کرے۔ وہ اس کے بنگلے کے سامنے ہی ٹہلنے لگا۔ ڈاکٹر زیٹل کا اس وقت گھر پر ہونا یقینی بات تھی، لیکن اتفاق ہی تھا کہ اس کی مشکل خود بخود حل ہو گئی۔ اسے اندر سے کسی کی نسوانی چیخ سنائی دی اور وہ فوراً دوڑ پڑا، مگر اسے اندر برآمدے کے پاس ہی رک جانا پڑا۔ یہاں ایک مسلح آدمی کھڑا ہوا تھا۔

"کیا ہے؟ کون ہو تم؟" اس نے بالے کو ڈانٹا۔

"میں راہ گیر ہوں، بھائی، یہاں کسی کی چیخیں سن کر آیا ہوں۔ کیا بات ہے؟" بالے نے بڑی معصومیت سے پوچھا۔

''کچھ نہیں، تم اپنا کام کرو۔''

''میں اتنا بے حس نہیں ہوں کہ کسی کو مصیبت میں دیکھ کر اس کی مدد نہ کروں۔''

''ڈاکٹر کی لڑکی کا دماغ خراب ہوگیا ہے، وہی چیخ رہی ہے۔تم کیا مدد کرسکو گے، جب ڈاکٹر خود اسے ٹھیک نہیں کرپایا۔''اس آدمی نے جواب دیا۔

''کون ڈاکٹر؟ کس کی لڑکی کا؟''

''اوہ، اب تمہیں اس سے کیا واسطہ؟ جاؤ یہاں سے۔''اس نے کہا۔

''اچھا بابا، جاتا ہوں، بگڑتے کیوں ہو۔''یہ کہہ کر بالے پلٹنے کی بجائے ایک جست کی اور اس کی پہلی ہی دولتی سے وہ آدمی فرش پر گر پڑا۔بالے اس کے سینے پر سوار ہوگیا۔اس نے اسے فائر کرنے کی بھی مہلت نہ دی اور پھر اس کی جیب سے نکلتے ہوئے ایک رومال نے اس محافظ کو ہوش وحواس سے دور کردیا۔اسے گھسیٹ کر ایک طرف تاریکی میں ڈالنے کے بعد وہ اندر داخل ہوگیا۔اسے ایک کمرے میں ڈاکٹر زیتل کے دو ملازم کھڑے کانپتے نظر آئے۔وہ ایک کھڑکی کی دراز سے دوسرے کمرے میں جھانک رہے تھے۔بالے بے دھڑک اندر داخل ہوگیا اور وہ اسے دیکھ کر گھبرا گئے۔

''کک...کون ہو تم؟''ان میں سے ایک نے ہکلا کر اس سے پوچھا۔

''میں ڈاکٹر گلبرٹ کے یہاں سے آیا ہوں، کیا ہو رہا ہے یہاں؟''بالے نے رعبدار آواز میں پوچھا۔

''خود دیکھ لو۔''انھوں نے کہا اور وہاں سے ہٹ گئے۔بالے نے اس دراز سے آنکھ لگادی، پھر جو کچھ اس نے دیکھا، وہ بڑا حیران کن تھا۔

کیٹی کمرے میں مادرزاد برہنہ کھڑی تھی اور اس کا کندن جیسا سڈول جسم وینس کے مجسمے کی طرح چمک رہا تھا اور ڈاکٹر زیتل اس کے سامنے ہنٹر لیے کھڑا تھا۔

''تم نے تنظیم سے غداری کی ہے، لڑکی، تم نے اس کو بھاگنے میں مدد دی تھی۔''

ڈاکٹر غضبناک لہجے میں کہہ رہا تھا۔

''میں کچھ نہیں جانتی، میں اسے پہچانتی بھی نہیں۔''

''پھر جھوٹ۔'' یہ کہہ کر ڈاکٹر نے سڑاخ سے ایک ہنٹر اس کے ملائم جسم پر جڑ دیا اور وہ چیخ کر پیچھے ہٹ گئی۔ اس کی کمر پر نیلی لکیر پڑ گئی۔

''کمینے، سور، کتے...'' کیٹی چیخنے لگی۔

گالیاں سن کر ڈاکٹر کا غصہ اور قابو سے باہر ہو گیا اور اس پر بے تحاشا ہنٹر برسانے لگا۔

''ہم صبح نوکری چھوڑ دیں گے، بھانو، یہ گھر اس لائق نہیں۔'' نوکروں میں سے ایک دوسرے سے کہنے لگا، مگر بالے سے ضبط نہ ہو سکا، اس نے دروازے پر ایک ٹھوکر ماری، وہ بند تھا۔ پھر اس نے پوری قوت سے اسے ٹکر دی اور دروازے کا ایک پٹ اندر جا گرا اس کے ساتھ ہی بالے بھی۔ ڈاکٹر ابھی سمجھ بھی نہ پایا تھا کہ بالے نے سنبھل کر جست کی اور ڈاکٹر سمیت لڑھکتا ہوا فرش پر جا گرا۔

''تمہیں باپ ہوتے ہوئے شرم نہیں آتی، سور؟'' اس نے ڈاکٹر کے جبڑے پر گھونسے مارتے ہوئے کہا۔

''یہ میرا باپ نہیں ہے، میرا باپ ان کمینوں کی قید میں ہے۔ یہ نقلی ہے، یہ فریبی ہے۔'' کیٹی چیخنے لگی۔

مگر اسی وقت اس کمرے کی دیواروں سے قہقہے ابل پڑے اور بالے بھی چونک پڑا۔

''شاباش، ڈاکٹر۔'' ایک آواز سنائی دی۔ اور اس کے ساتھ ہی کمرے کی روشنی بجھ گئی۔ اسی وقت کوئی چیز بالے کو اپنے بازو میں چبھتی ہوئی محسوس ہوئی اور وہ گھبرا کر الٹ گیا۔

ایک منٹ سے بھی کم وقت میں کمرہ دوبارہ روشن ہو گیا اور بالے نے دیکھا اس کے

سامنے ڈاکٹر کھڑا مسکرا رہا تھا اور کیٹی برہنہ فرش پر پڑی تھی۔ بالے کو اپنا سارا جسم سنسناتا محسوس ہوا، جیسے چکر آ رہے ہوں۔ ڈاکٹر نے دیوار میں لگا ہوا ایک بٹن دبا دیا، اس کے فوراً بعد داہنی سمت کا دروازہ کھلا اور دو آدمی جو سیاہ لباس میں تھے اندر آ پہنچے۔

''اسے لے جاؤ۔'' ڈاکٹر گلبرٹ کی طرف سے یہ تمہیں انعام دیا جاتا ہے۔'' اس نے کیٹی کی طرف اشارہ کر کے کہا اور وہ اس کے عریاں جسم کو بھوکے بھیڑیوں جیسی نظروں سے تکتے ہوئے جلدی سے اس پر جھک گئے اور اسے اٹھا کر باہر نکل گئے۔

''بیٹے سارجنٹ، اسے کہتے ہیں ایک پنتھ دو کاج۔'' ڈاکٹر بالے سے مخاطب ہوا، مگر بالے تیورا کر گرنے ہی والا تھا کہ اچانک باہر سے فائرنگ کی آوزیں آنے لگیں۔

ڈاکٹر نے دوڑ کر کھڑکی سے باہر جھانکا، پھر دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ بالے نے اس وقت اس عمارت سے بھی گولیاں چلنے کی آوازیں سنیں، مگر پھر اس کی آنکھوں میں اندھیرا چھانے لگا اور ہاتھ پیر کانپنے لگے۔ وہ فرش پر اوندھا ہو گیا۔

☆☆☆☆☆☆

صبح ۷ بجے سے ہی شہر میں ایک عجیب سا تماشا شروع ہو گیا۔ وہ دو اجنبی تھے، جن کی لمبی سیاہ داڑھیاں تھیں۔ دونوں خاصی تندرست جسامت کے قد آور آدمی تھے۔ ان کے کندھوں سے جھولیاں لٹکی ہوئی تھیں اور وہ سڑکوں پر دوڑے جا رہے تھے۔ وہ بار بار ہوا میں ہاتھ بلند کر کے اپنی مٹھی میں کچھ پکڑ لیتے اور مٹھی اپنی جھولی میں ڈال لیتے تھے۔ بالکل ایسے جیسے مکھیاں پکڑ رہے ہوں، مگر نظر کچھ نہ آتا تھا۔ کچھ دیر میں پبلک کا ایک ہجوم ان کے پیچھے چلنے لگا۔ وہ ان کے بارے میں طرح طرح کی قیاس آرائیاں کر رہے تھے، لیکن انھیں جیسے کسی کی خبر ہی نہ تھی۔ وہ خاموشی سے اپنے کام میں مصروف تھے۔ جو آدمی زیادہ قد آور اور تگڑا معلوم ہوتا تھا، اس کے ہاتھ میں ایک گرز نما شے بھی تھی، جس کی سطح پر کانٹے ہی کانٹے نظر آ رہے تھے اور

دوسرے ہاتھ میں ایک توڑی کے مشابہ شیشے کی صراحی تھی۔

''آپ کون لوگ ہیں؟'' ایک جگہ مجمع میں سے ایک آدمی نے انھیں ٹوک دیا۔

''ہم سے بات مت کرو، ہم ملک الموت کے اسٹاف ہیں۔'' ان میں سے ایک نے جواب دیا۔

''تو یہ کیا حرکت فرما رہے ہیں آپ لوگ؟'' دوسرے کسی آدمی نے مذاق اڑانے والے لہجے میں کہا۔

''ہم ان لوگوں کی روحوں کی ایڈوانس بکنگ کر رہے ہیں، جو آج کے ہنگامے میں مرنے والے ہیں۔'' سفید ریش آدمی نے جواب دیا۔

''ہنگامہ...؟ کیسا ہنگامہ؟'' اس آدمی نے پوچھا۔

''تم موت کے فرشتوں سے سوالات نہیں کر سکتے۔'' یہ کہہ کر بوڑھا اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔

لوگوں نے اب ان کا مذاق اڑانا شروع کر دیا۔ بعض نوجوان ان کے پیچھے تالیاں بجانے لگے، لیکن انھیں کسی کی پروا نہ تھی۔ وہ اسی طرح ہوا میں ہاتھ بلند کر کے گویا ہوا مٹھی میں پکڑ کر اپنے جھولے میں ڈال رہے تھے۔ اور ان کی نظریں بار بار شہر کے اس اونچے کلاک ٹاور پر پڑ رہی تھیں جو دور سے بھی صاف نظر آتا تھا۔

جیسے ہی ٹاور کے کلاک نے آٹھ بجائے، وہ چونک پڑے اور ان کی نگاہیں آسمان پر دوڑنے لگیں، وہ کسی طیارے کی ہی آواز تھی، جو آسمان میں پرواز کر رہا تھا۔ اس کے ساتھ انھیں دور مشرقی پہاڑیوں کی سمت سے ایک سفید سفید دھند اٹھتی نظر آئی، جیسے بادل پھیل رہے ہوں، مگر تھوڑی ہی دیر میں وہ ہوا میں منتشر ہو کر غائب ہو گئی۔

ابھی تھوڑی دیر گزری تھی کہ اچانک ایک طرف سے شور سنائی دیا اور لوگ ادھر دوڑ پڑے۔ کوئی اپنی بلڈنگ کے سہ منزلہ فلیٹ کی کھڑکی سے کود کر سڑک پر آ گرا تھا اور اس کی لاش

خاک وخون میں لتھڑی پڑی تھی۔لوگوں کا ہجوم ابھی یہاں بڑھ رہا تھا کہ کسی دوسری سمت سے پھر شور سنائی دیا اور کچھ لوگ ادھر دوڑ پڑے۔اسی وقت اسی عمارت سے کچھ لوگ بھاگتے ہوئے اترے۔وہ بہت گھبرائے ہوئے تھے،لوگوں نے انھیں گھیر لیا۔

''وہ...وہ ہوائی جہاز بن کر اڑا تھا۔''ان میں سے ایک نے پھولی ہوئی سانس کے ساتھ بتایا۔''اور...اور دونوں ہاتھ پروں کی طرح پھیلا کر کھڑکی سے کود پڑا۔''

''میرا بھی دل چاہ رہا تھا کہ میں بھی ہوائی جہاز بن جاؤں۔''دوسرا تحیّر زدہ انداز میں بولا۔''لیکن کسی نے مجھے پکڑ کر باہر کھینچ لیا۔''وہ بتانے لگا اور لوگ حیرت سے سنتے رہے۔

اور ٹھیک اسی وقت شہر کی بلند عمارتوں والے سہ منزلہ اور چہار منزلہ فلیٹوں سے لوگ دھڑا دھڑ نیچے گر رہے تھے اور مر رہے تھے۔سڑکوں پر ہجوم کی شکل میں شور مچاتے اور دوڑتے لوگ اس بیسویں صدی کے سب سے عجیب واقع کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔کسی نہ کسی اونچی کھڑکی سے کوئی ہوائی جہاز کی طرح دونوں ہاتھ پھیلائے باہر نکلتا اور فضا میں پرواز کیلیے جست مار کر نیچے آگرتا۔

پولیس کی گاڑیاں فوراً شہر میں دوڑنے لگیں اور ان پر اعلان کیا جانے لگا کہ کوئی بلند عمارتوں پر نہ چڑھے۔سارے شہر میں ایک تہلکہ مچ گیا۔ذرا سی دیر میں ایک مقام سے خبر آئی اور ذرا دیر بعد دوسرے مقام سے۔ایک عجیب سا حشر بپا ہو گیا۔

پولیس کے ایک وائرلیس کو دوڑتے ہوئے کچھ لوگوں نے راستے میں روک لیا۔

''اوپر سے ایک آدمی گرا ہے اور ابھی زندہ ہے۔''ان میں سے ایک نے کہا۔

ٹرک میں موجود سب انسپکٹر فوراً اتر پڑا۔اس کے ساتھ اس کے سپاہی بھی دوڑ پڑے۔مجروح بڑی خراب حالت میں تھا اور امید نہ تھی کہ بچ سکے گا۔بہر حال وہ بلا تاخیر اسے ٹرک میں ڈال کر شہر کے مرکزی اسپتال کے طرف لے دوڑے۔مگر وہ سلسلہ ابھی تک جاری تھا۔لوگ اونچی عمارتوں کی اوپری منزلوں کی کھڑکیوں سے ہوائی جہاز بن کر اڑتے اور گرتے۔

Akram Allahabadi

اوران میں صرف مرد ہی نہیں، بلکہ عورتیں بھی تھیں اور اسی قیامت خیز ہنگامے میں لوگوں میں کچھ عجیب سے تبصرے شروع ہو گئے۔

''یہاں کے دولتمندوں پر خدا کا عذاب نازل ہوا ہے۔ بہت خون چوس رہے تھے غریبوں کا۔'' یہ بات عام طور پر پھیل گئی۔ لوگوں کے ذہن کو بدلتے دیر نہیں لگتی۔ وہ ان حادثوں پر خوش نظر آنے لگے اور ان ہی تذکروں میں ڈاکٹر گلبرٹ اور ڈاکٹر زیتل کے تذکرے چھڑ گئے اور ان کی نیکیوں اور عوام کی خدمت کی تعریفیں ہونے لگیں۔ پھر اچانک لوگوں کو جیسے ان موت کے فرشتوں کا خیال آ گیا۔

''ارے، وہ تو پہلے سے ہی روح قبض کرنے آئے تھے۔'' کسی نے بات چھیڑ دی اور لوگ ہر طرف ان کے ذکر سے خوفزدہ نظر آنے لگے اور ہر طرف ان کی تلاش بھی شروع ہو گئی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ذہنی طور پر یہاں کے لوگ مفلوج ہیں۔ کوئی بھی روان کے ذہن سے ٹکراتی اور وہ ادھر ہی بہک جاتے۔ کبھی وہ چوہوں کی طرح خوفزدہ نظر آنے لگتے اور کبھی شیر کی طرح غصہ ور۔

مگر اس وقت جب موت کے ان بوڑھے فرشتوں کو سڑکوں پر تلاش کیا جا رہا تھا، وہ دونوں ایک گیمس پارک کے نزدیک ایک پٹ پر کھڑے اس ہوائی جہاز کو دیکھ رہے تھے جو ابھی تک شہر کے اوپر پرواز کر رہا تھا اور انھیں دور سے لوگ اپنی عمارتوں کی کھڑکیوں سے کودتے بھی نظر آ رہے تھے۔

''بندوق نکالو اپنے جھولے سے۔'' ایک نے دوسرے سے کہا۔ اور اس نے جھولے میں ہاتھ ڈال کر ایک فولڈنگ گن کے ٹکڑے نکالتے ہوئے جلدی سے جوڑ کر بندوق اس کے حوالے کر دی۔ اس بوڑھے نے اسے لوڈ کیا اور نشانہ باندھنے لگا۔

وہ طیارہ جیسے ہی غوطہ مارتا ہوا میدان کے سرے کے اوپر سے گزرا، اس نے گولی چلا دی۔ شاید وہ خطا جانے والا نشانہ ہی نہ تھا۔ اور پھر اس نے اس طیارے پر مسلسل پانچ فائر

کیے۔طیارہ آرا ہوا، پھر اس نے قلابازی کھائی اور پھر اس کے انجن میں ایک دھماکا ہوا، جس کے ساتھ ہی وہ پھٹتا ہوا نیچے آگرا۔ وہ اس کے طرف دوڑ پڑے۔ کچھ دوسرے لوگ بھی طیارے کو گرتے دیکھ کر دوڑے اور انھیں دیکھ کر وہ دونوں رک گئے۔انھوں نے ایک سنسان راستے میں جا کر اپنی داڑھیاں اور سر پر لگے ہوئے سفید بالوں کی وگ اتار کر جھولے میں ڈال لیے اور ان جھولوں کو تہ کر کے ہاتھ میں لے لیا۔وہ اب اپنے اصلی روپ میں سپرنٹنڈنٹ خان اور رؤف تھے۔وہ جب اس طیارے کے نزدیک پہنچے تو انھیں اس میں ایک ادھ جلی کچلی ہوئی لاش نظر آئی۔پولیس کے پہنچ جھانے سے لوگ اس کے قریب تو نہ جا سکے، مگر انھیں دور سے اسے پہچان لینے میں کوئی دقت نہ ہوئی۔وہ وہی سگار باز تھا، جس نے اسٹیشن پر بالے کا پیچھا کیا تھا اور جو کیٹی کے ساتھ دیکھا گیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

محترمہ

بالے کے آنکھیں کھولنے سے شوکت کو ذرا اطمینان ہوا۔ رات اسے جب یہاں بیہوش حالت میں لایا گیا تھا، تو خان نے ہدایت کر دی تھی کہ اسے جگایا نہ جائے، جب تک کہ وہ خود آنکھیں کھول دے۔ اور یہاں سے جاتے وقت وہ شوکت کو جتا کر گیا تھا کہ وہ بالے کو چھوڑ کر کہیں نہ جائے۔ شہر میں کسی ہنگامے کی توقع ہے۔ چنانچہ شوکت باہر شور سن کر بھی نہ نکلا۔

بالے حیران حیران نظروں سے چاروں طرف دیکھنے لگا، پھر جب اس کی نظر شوکت پر پڑی تو وہ اچھل پڑا۔

''ارے تم ابھی تک یہیں بیٹھی ہوئی ہو؟'' بالے نے بڑی معصومیت سے کہا۔

''میاں خاں، ذرا حافظہ ٹھیک کرو، میں بیٹھا ہوا ہوں، بیٹھی ہوئی نہیں ہوں۔''

''ہائے ستمگر، نازک ادا مرزا فدا علی خنجر، تم کہاں مر گئی تھیں؟ شب دیجور کی والدہ محترمہ، میں تڑپ تڑپ کر مرغِ بسمل بن چکا ہوں اور غالب کا وہ شعر یاد آ رہا ہے کہ

نقش فریادی ہوں تیرے باپ کی تصویر کا''

بالے دونوں ہاتھ سینے پر باندھ کر عاشقانہ انداز میں بولا۔

''اے لو، جانے کیا کیا اول فول، بلا ڈی فول بک رئے ہو یار۔'' شوکت جھنجلا گیا۔

''رام کا نام لو، عقل سے کام لو۔ تم کون ہو؟ میں کہاں ہوں؟ میں ہوں زہرِ عشق اور تم جلاب کی پڑیا، چنے کی گڑیا، مٹی کی چڑیا۔ ہائے خدا، بیڑہ غرق کرے تمہارا، کیسا مریضِ غم بنایا مجھے کہ اشک کھاتا ہوں اور لختِ جگر پیتا ہوں اور جانِ من پھر بھی تمہارے نام پے جیتا ہوں۔''

''جانِ من تم خد، تمہارا باپ جانِ من، تمہارا سارا خاندان جانِ من سالا۔ کیا سمجھ کے بول رئے ہو تم مجھ سے؟''

Akram Allahabadi

"ہائے ہائے تو کیا تم وہ فتنہ انگیز، ستم خیز، عشوہ ریز نہیں ہو؟"

"ابے میں انگریز منگریز کچھ نہیں ہوں۔ میں شوکت میاں خاں ہوں۔ یار، کیا ہوا ہے تمھیں، بالے بھائی؟"

"باؤلے ہوگی تم خود اور تمھاری اماں جان، میری محبوبہ طرحدار۔ وہ زمانہ گیا جب عشق کے مارے پیار سے باؤلے کہے جاتے تھے، اب تو انھیں ڈاکٹر آف لاء کی ڈگری دی جاتی ہے۔"

"اب اگر تم نے مجھے مخنث مونث کچھ کہا تو میں لاقسم تمھارا سر توڑ دوں گا۔" شوکت کو غصہ آگیا۔

"ہائے ہائے، تم تو غصے میں اور حسین نظر آنے لگیں۔ کاش میں پیرس کے کیفے ڈی لامار میں وہسکی کے دو پیگ پلا سکتا، مگر نہیں، بل پھر کون میرا باپ چکائے گا۔ جاؤ میں تمھیں طلاق دیتا ہوں۔ میں بڑا بدنصیب ہوں کہ میرا باپ پیدائشی کنجوس ہے اور اس نے اپنی دو ادھیڑ عمر بیٹیوں کی ابھی تک شادی نہیں کی۔" بالے کھوئے ہوئے انداز میں بڑبڑاتا رہا۔

"یار تم آدمی ہو یا پجامہ۔ اب بند بھی کرو اپنی یہ اداکاری فنکاری۔" شوکت عاجز آگیا۔

"اب تو طعنے دوگی ہی تم۔ ارے اگر میں دلیپ کمار نہیں بن سکا تو اس میں میرا کیا قصور؟ کسی الو کے پٹھے پروڈیوسر کی نگاہِ انتخاب ہی مجھ پر نہیں پڑی۔ البتہ اگر تم اپنے میکے سے دو چار لاکھ کاٹ لاؤ تو میں دلیپ کمار کا باپ بھی بن سکتا ہوں۔"

"ابھی چونچ بند نہیں ہوگی تمھاری۔" شوکت نے اسے چیلنج کیا۔

مگر بالے کی نظر دیوار میں لگی تصویر پر جا پڑی۔ اس میں ایک بڑا سا سفید ریچھ کسی شکاری کے گلے میں اپنے دانت گاڑ کر اسے جھنجوڑ رہا تھا۔

"ارے بچاؤ، ارے کوئی بچاؤ، ہائے، مار ڈالے کا یہ۔" بالے دونوں ہاتھوں سے

اپنی گردن تھام کر کمرے میں بے تحاشا ادھر ادھر دوڑنے لگا۔اس کی نگاہیں تصویر پر تھیں اور وہ اپنے ہاتھوں سے اپنی گردن دبا رہا تھا۔شوکت پریشان ہوگیا۔اس کی کچھ سمجھ میں نہ آیا۔

''یا اللہ، رحم کر، یہ اس آدمی کو کیا ہوگیا ہے؟'' وہ دعا مانگنے لگا۔

''ابے بھاگو، سفید ریچھ، ارے بھاگو، کمبخت ۔وہ تمہاری دم اڈھیڑ کر گھاس بھر دے گا۔'' اور یہ کہہ کر جو وہ بے تحاشا دوڑا تو دیوار سے ٹکرا گیا۔ٹکر اس کے سر کی لگی تھی اور اس زور سے لگی تھی کہ وہ وہیں تیورا کر گر پڑا اور شوکت کو اسے اٹھا کر بستر پر لٹانا پڑا۔

☆☆☆☆☆☆

ڈاکٹر سید، خان اور کلکٹر اس وقت بند کمرے میں گفتگو کر رہے تھے اور اسٹاف باہر ایک عجیب سے تذبذب اور بے چینی کے عالم میں احکامات کا منتظر تھا۔

''میں نے آپ کی اتھارٹی پر احکامات تو جاری کر دیے ہیں اور آپ کے آدمیوں کو برآمد کرنے کے ساتھ ڈاکٹر گلبرٹ کو گرفتار بھی کر لیا ہے، لیکن مجھے ڈر ہے کہ کہیں شہر میں بلوہ نہ ہو جائے۔ڈاکٹر گلبرٹ کی گرفتاری سے اتنی سنسنی پھیل گئی ہے کہ لوگ صبح کے تباہ کن حادثات بھول گئے ہیں۔'' کلکٹر کہہ رہا تھا۔

''وہ ہنگامے تو اس جہاز کے گرتے ہی بند ہو گئے تھے۔'' ڈاکٹر سید بولا۔

''یہ مجھے معلوم ہوا ہے اور اسی لیے میں خان صاحب کی ہر خواہش کی تکمیل آنکھیں بند کر کے کر رہا ہوں، حالانکہ مجھے یہ محسوس ہو رہا ہے کہ میں اس شہر میں جیسے اکیلا ہوں، مگر ڈر ہے کہ کہیں پولیس بھی باغی نہ ہو جائے۔'' کلکٹر نے کہا

''آپ اس کی فکر نہ کیجیے، یہاں میری رزرو فورس موجود ہے۔ضرورت پڑے گی تو اسے استعمال کیا جا سکتا ہے۔'' خان نے بتایا۔

''ہاں ڈاکٹر، آپ کیا کہہ رہے تھے؟'' کلکٹر نے ڈاکٹر سید سے پوچھا۔

Akram Allahabadi

''جو نمونے حادثات کے وقت چلنے والی ہوا اور ہوا میں موجود پائے جانے والی چارجڈ (برقیاتی سوئی) پارٹیکلز خان صاحب نے حاصل کیے ہیں، ان سے یہ اندازہ لگا سکتا ہوں کہ کسی مخصوص وقت یا اوقات پر کہیں سے ایک خاص معیاری بلندی پر چلنے والی ہواؤں میں نرو سسٹم پر اثر انداز ہونے والے کچھ ایسے چارجڈ پارٹیکلز آکسیجن میں شامل کر دیے جاتے ہیں جو انسان کے جسم میں داخل ہو کر ایک ایسی سنسنی پیدا کر دیتے ہیں جس سے اس کا دماغ سن ہو جاتا ہے اور دماغی اور ادی قوت پر ان نامعلوم لہروں کا قبضہ ہو جاتا ہے جن کے ذریعے اس کے دماغ تک کوئی خاص حکم، اشارہ یا مشورہ پہنچایا جائے۔ وہ اس پر عمل کرنے پر مجبور ہوتا ہے، اس لیے کہ اس کا دماغ اس وقت بلینک ہو جاتا ہے۔'' ڈاکٹر سید نے اس مکدر نما شے اور اس شیشے کی کپی کو سامنے میز پر ڈالتے ہوئے کہا۔

''میں سمجھ گیا، ڈاکٹر۔'' خان اچانک اٹھ کھڑا ہوا۔

''کیوں؟ کیا ہوا؟'' کلکٹر نے پوچھا۔

''آپ مضبوطی سے اپنی پالیسی پر جمے رہیے اور پولیس کو ہدایت کر دیجیے کہ وہ ڈاکٹر زیتل اور اس کے آدمیوں کی تلاش جاری رکھے۔ میں اس سازش کی تہ تک پہنچنے کی کوشش کرتا ہوں۔'' خان نے اس سے کہا۔

''مگر آپ کہاں چلے؟'' ڈاکٹر سید نے خان کو ٹوکا۔

''ایک شک کی تصدیق کرنے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ میں آج ہی اس سازش کی چندھیا اڑا دوں گا۔'' وہ جوش میں بھر کر بولا۔

''لیکن میں بھی ساتھ چلوں گا، ممکن ہے اس سلسلے میں میری معاونت کارآمد ثابت ہو۔''

''اچھا چلیے۔'' خان نے کہا اور رؤف اور ڈاکٹر سید سمیت کلکٹر سے رخصت ہو کر باہر نکل گیا۔ باہر موجود پولیس کا وہ عملہ، جو یہ جان چکا تھا کہ وہ کوئی بڑا آفیسر ہے جس کی شخصیت

راز میں ہے،اسے دیکھ کر اٹینشن ہوگیا۔انسپکٹر ہردیش بھی خان کو دیکھ کر آگے بڑھ آیا۔

''معاف کیجیے گا، جناب، مجھ سے غلط فہمی میں کچھ غلط حرکتیں بھی ہوئی ہیں۔'' وہ معذرت کرنے لگا۔

''یہ وقت ان باتوں کا نہیں ہے، آفیسر، آپ ڈاکٹر زیتل کو کسی طرح جلد از جلد تلاش کرنے کی کوشش کیجیے۔اور ہاں دیکھیے، اپنی فورس کو سنبھال کر رکھیے، ممکن ہے ہمیں کوئی زبردست مقابلہ کرنا پڑے۔''خان نے یہ کہا اور آگے بڑھ گیا۔

☆☆☆☆☆☆

خان کو گئے ابھی بمشکل دس منٹ گزرے ہونگے کہ کلکٹر کے آفس میں فون کی گھنٹی بجنے لگی۔اس نے خود ہی رسیور اٹھایا اور دوسری طرف سے ایک انجانی آواز سنائی دی۔

''کلکٹر، پلیز۔''

''یس،اسپیکنگ۔''کلکٹر نے کہا۔

''آپ نے ڈاکٹر گلبرٹ کو کس الزام میں گرفتار کیا ہے؟''

''چار سیاحوں کو اغوا کر کے حبس بیجا میں رکھنے کے علاوہ اور بھی بہت سے الزامات ہیں۔''کلکٹر نے جواب دیا۔

''اور اس کے انجام سے بھی واقف ہو؟''اس آواز نے پوچھا۔

''فرض کی ادائیگی میں انجام نہیں سوچا جاتا۔''کلکٹر روکھے لہجے میں بولا۔

''ڈاکٹر گلبرٹ کو اگر شام کے پانچ بجے تک رہا نہ کیا گیا تو اس شہر میں جو کچھ ہوگا اس کے ذمے دار آپ ہوں گے۔''دوسری طرف سے کہا گیا۔

''میں شہر کا حاکم ہوں، ان گیدڑ بھبکیوں سے مجھ پر کوئی اثر نہ ہوگا۔''

''میں کہہ چکا، یاد رکھیے شام کو ربجے تک اور اس کے بعد اس شہر کا انتظام آپ کے

ہاتھ سے لے لیا جائے گا۔"

کلکٹر نے غصے میں رسیور رکھ دیا اور زور سے چیخا۔

"سپرنٹنڈنٹ وہاب۔"

چپراسی کی ضرورت نہ پڑی کیونکہ باہر اس کی آواز سٹی سپرنٹنڈنٹ نے سن لی تھی۔ وہ خود ہی اندر پہنچ گیا۔

"معلوم کیجیے کہ ابھی مجھے کس نے فون کیا تھا اور شہر میں دفعہ ۱۴۴ لگا دیجیے۔ لوگ جہاں بھی ڈاکٹر گلبرٹ کا تذکرہ کرتے نظر آئیں، انھیں گرفتار کر لیجیے۔"

"تذکرہ تو سارا شہر کر رہا ہے سر۔" ایس پی نے کہا۔

"میرا مطلب ڈاکٹر گلبرٹ کے نام پر عوام کو اکسانے والوں سے ہے اور شام کو ۵ بجے سے پولیس کا انتظام اور سخت کر دیا جائے۔"

"ویری ویل، سر۔" سپرنٹنڈنٹ نے سلیوٹ کیا اور باہر نکل گیا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

گفاؤں کی طرف

خان کے پاس شوکت والی کار تھی جو یہاں کرائے پر حاصل کی گئی تھی۔ وہ خود کار ڈرائیو کر رہا تھا اور رؤف اس پیچھے بیٹھا تھا۔ ڈاکٹر سید پاس والی نشست پر تھا۔

''مگر ہم چل کہاں رہے ہیں؟'' ڈاکٹر سید نے پوچھا۔

''وہ جو سامنے پہاڑی نظر آ رہی ہے، بس اس کے قریب ہی کہیں۔''

''یعنی منزل کا ہی پتا نہیں؟''

''میں نے ۸ بجے صبح ان ہنگاموں کے شروع ہونے سے چند سیکنڈ قبل یہیں سے کہر کی دھند چھٹتے دیکھی تھی، میں سمجھتا ہوں وہ پارٹیکلز وہیں ہیں جو ہوا میں شامل کیے گئے ہوں گے۔'' خان نے کہا۔

''تو چلیے۔''

مضافات میں پہنچ کر بھی انھیں کافی راستہ طے کرنا پڑا۔ وہ جب ان پہاڑوں کے نزدیک پہنچتے تو ان کی گھڑیوں میں تین بج چکے تھے۔ خان نے اپنی کار ایک جگہ نشیب میں اتار کر چند جھاڑیوں کے درمیان کھڑی کر دی اور وہاں سے وہ پیدل ہی چلنے لگے۔

''رؤف خاں، ریوالور دونوں ہیں نا؟'' خان نے چلتے چلتے پوچھا۔

''جی ہاں۔'' رؤف نے جواب دیا۔

''مگر یہاں تو کوئی آبادی نظر نہیں آتی؟'' ڈاکٹر سید نے خان سے پوچھا۔

''مجھے معلوم ہوا ہے کہ یہاں ان پہاڑوں میں بڑی گفائیں ہیں۔'' خان نے جواب دیا۔

''تو کیا ہم گفاؤں کی سیر کو چل رہے ہیں؟''

Akram Allahabadi

''بس چلے چلیے، لیکن ذرا احتیاط سے۔''

پھر ایک جگہ وہ رک گئے۔

''رؤف، تھیلا نکالو۔'' رؤف نے پیٹھ پر کسا ہوا تھیلا نکال لیا اور تھوڑی ہی دیر میں وہ دونوں وہی بوڑھے موت کے فرشتے نظر آنے لگے۔

''آپ لوگوں کا بھی جواب نہیں بھیس بدلنے میں۔'' ڈاکٹر سید نے کہا۔

''اب آپ بھی یہ کالی داڑھی لگا لیجیے۔'' خان نے ڈاکٹر سید کا بھی حلیہ بدل دیا۔

وہ اب گفاؤں والی پہاڑی کی طرف جا رہے تھے۔ انھیں راستے میں ایک گڈریا ملا، جس نے انھیں بتایا کہ ان گفاؤں سے بعض اوقات بڑی بھیانک آوازیں نکلتی ہیں، ادھر نہ جانا چاہیے۔

''بھئی، ہمیں تو صرف دور سے گفائیں دیکھنی ہیں۔'' خان نے جواب دیا۔ ''بڑی تعریف سنی ہے ان کی۔''

''مگر وہاں کوئی جاتا نہیں، آپ لوگ پچھتائیں گے مفت میں۔'' وہ بولا۔

''اونہہ، ہم ڈرپوک نہیں ہیں۔'' یہ کہہ کر خان نے قدم بڑھایا ہی تھا کہ اچانک ایک فائر ہوا اور اگر وہ ان دونوں کو دھکیلتا ہوا ایک چٹان کی آڑ نہ لے لیتا تو وہ گولی اس کا سر توڑ دیتی۔ انھوں نے جب گھوم کر دیکھا تو وہ گڈریا بھی ایک چٹان کی آڑ لے چکا تھا اور اس کے ہاتھ میں پستول موجود تھا، جس سے وہ فائر کرنا ہی چاہتا تھا کہ خان کا ہاتھ اٹھ گیا اور وہ وہیں لڑھک کر رہ گیا۔

''ڈاکٹر، ہم ٹھیک مقام پر آئے ہیں۔'' خان نے ڈاکٹر سید سے کہا۔

''مگر یہ گولیوں کی بوچھاڑ؟'' ڈاکٹر نے پریشان ہو کر کہا۔

''یہاں کافی چٹانیں اور جھاڑیاں ہیں، وہ ہمیں آسانی سے پا نہیں سکتے، میں یہاں انھیں الجھاتا ہوں۔ رؤف، تم ڈاکٹر کو لے کر اوپر کی طرف چلو۔'' خان نے کہا۔

Akram Allahabadi

''بہتر ہے سر۔'' رؤف بولا۔

''پھر وہ اور ڈاکٹر جھاڑیوں کی اور چٹانوں کی آڑ لیتے اوپر کی طرف کھسکنے لگے اور خان اس فائرنگ کا جھواب دیتا رہا جو سامنے کی سمت میں تین مختلف زاویوں سے ہو رہی تھی۔ کچھ دیر بعد جب اس نے اندازہ کر لیا کہ وہ لوگ کافی دور نکل گئے ہیں تو وہ بھی پیچھے ہٹنے لگا، لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اب فائرنگ چاروں سمت سے ہونے لگی ہو اور یہ بات مقابلتہً زیادہ خطرناک تھی۔

بہرحال وہ کسی طرح ایک گفا تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے اور پھر وہ رینگتے ہوئے اس کی چوڑی دراز میں داخل ہوئے تو انھیں اوپر سے فائرنگ کرنے والے نظر آئے۔ وہ چھ آدمی تھے جو مختلف سمتوں سے اوپر کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ان کی شکلیں چپٹی چپٹی اور رنگ گندمی تھا اور وہ جھاڑیوں جیسے رنگ کے سبز لباس پہنے تھے۔

گفا کے اور اندر گھس کر جب وہ دوسری طرف نکلے تو یہ ایک خاصا کشادہ بڑا ہال تھا جو اندر سے تراشا ہوا تھا۔ یہاں انھیں مختلف قسم کی مشینیں نصب نظر آئیں اور دو ویسے ہی سبز وردی والے چپٹے سے آدمی یہاں موجود تھے۔ ایک اور راستہ اس کنگاروں دار گفا کے اندرونی حصے سے ہوتا ہوا دوسری طرف نکل گیا تھا۔

''ادھر آؤ۔'' خان انھیں لے کر دبے پاؤں اس راستے پر چلنے لگا۔ اور وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ سرنگ نما اس پیچدار راستے سے گزرنے کے بعد وہ ایک ایسی گھاٹی میں نکل آئے ہیں جو چاروں طرف کٹاؤ دار پہاڑی دیواروں سے گھری ہوئی ہے۔ یہاں انھیں ایک اونچائی پر ایک بہت بڑا سا اینٹینا (Antenna) نصب نظر آیا، جس سے مسلسل باریک لہریں ڈسچارج ہو رہی تھیں اور اس کے بالمقابل پہاڑ کے دوسری سمت ایک اونچی چٹان پر ایک بڑی سی کیبن بنی ہوئی تھی۔ گھاڑی کے اس حصے کو عبور کرنا آسان نہ تھا۔ وہ کہیں سے بھی دیکھ لیے جاتے۔ چنانچہ خان نے بہت سی سبز جھاڑیاں پتوں سمیت کاٹ کر فوجیوں کی طرح تینوں کیلیے

بش کور بنا لیے اور وہ ان کو اوڑھ کر مینڈکوں کی طرح آہستہ آہستہ جست کرتے ہوئے آگے بڑھنے لگے۔ انھیں اس اینٹینا کے نزدیک ایک بڑا سا شیڈ نظر آیا، جہاں کچھ آدمی حرکت کرتے نظر آ رہے تھے۔

خان نے اپنے رسٹ واچ ٹرانسمیٹر پر اپنی رزرو فورس کے نائب کو کال کیا اور اس کے چند سیکنڈ ہی میں اس کی آواز سنائی دی۔

''تھری مائلز نارتھ، ۴۵ ڈگری۔ کفاؤں والی پہاڑی کو چاروں طرف سے گھیر لو۔''

''او کے سر۔''

''کتنی دیر لگے گی؟''

''ایک گھنٹے سے زیادہ نہ لگے گا ہمیں۔''

''ایئر سگنل دینا یہاں پہنچتے ہی اور فائرنگ کی آواز سنو تو ہدایات کا انتظار نہ کرنا۔'' خان نے کہا۔

''ویری ویل، سر۔''

خان نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

ان لوگوں کو یہاں تک پہنچنے میں ایک گھنٹہ لگے گا اور اس وقت چار بجنے میں صرف دس منٹ ہیں، ابھی ایڈوانس کرنا حماقت ہوگی، یہاں کافی آدمی نظر آ رہے ہیں۔''

''تب تک کیوں نہ ہم یہیں انتظار کریں۔''

''ٹھیک ہے۔ رؤف خاں، تم اسی راستے واپس جاؤ اور فورس کے آتے ہی ان کی رہنمائی کرنا۔'' خان نے ہدایت کی۔

''ان کی علامت کیا ہوگی؟'' رؤف نے پوچھا۔

''ان کے بازوؤں پر زرد پٹیاں ہونگی۔''

''بہتر ہے، لیکن باہر تو وہ لوگ فائرنگ کر رہے تھے؟''

''فائرنگ بند ہوچکی ہے، جس کا مطلب ہے کہ وہ میں اندر والوں کے رحم وکرم پر چھوڑ کر باہر کی نگرانی تک ہی رہ گئے ہیں۔'' خان نے بتایا۔

رؤف نے سر ہلایا اور کھسک گیا۔

☆☆☆☆☆☆

لیکن پھر نہ جانے کیا سوچ کر خان نے اپنا خیال بدل دیا۔ کیونکہ تھوڑی دیر کے بعد وہاں موجود لوگ منتشر ہوگئے تھے۔

''ڈاکٹر، کیوں نہ ہم کوشش کر دیکھیں؟'' خان نے کہا۔

''وہ لوگ ہمیں تلاش کر رہے ہیں۔ وہ دیکھیے، دو آدمی تو اسی طرف آرہے ہیں۔'' ڈاکٹر سید نے بتایا۔

''آنے دیجیے۔'' خان اطمینان سے بولا۔

مگر آنے والوں کو کیا خبر تھی کہ راستے کے کنارے پر موجود دو جھاڑیاں اپنے اندر ان ہی خطرناک آدمیوں کو چھپائے ہوئے ہیں جن کی تلاش کا انھیں حکم دیا گیا ہے۔ وہ جیسے ہی ان کے پاس سے گزرنے لگے، خان اور ڈاکٹر دونوں ہی ان پر ٹوٹ پڑے۔ ڈاکٹر سید بھی تندرست آدمی تھا اور اس وقت وہ کافی پھرتیلا نظر آیا۔ چند سیکنڈ میں ہی وہ انھیں بیہوش کرنے میں کامیاب ہوگئے اور اس کے بعد وہ خود سبز پوش تھے اور وہ دونوں سبز پوش صرف جانگیے پہنے جھاڑیوں میں پڑے ہوئے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں چھوٹی چھوٹی اسٹین گنیں تھیں، وہ ان دونوں نے لے لیں اور داڑھیوں کو الوداع کہتے ہوئے آگے چل پڑے۔

اس اینٹینا کے نیچے شیڈ میں انھیں ایک بڑی سی مشین نصب نظر آئی جس کے مختلف خانوں میں برقی جھماکے ہو رہے تھے۔ ابھی وہ یہاں کھڑے ہی ہوئے تھے کہ انھیں اپنے کانوں میں ایک باریک سی آواز سنائی دی اور وہ یہ جان کر حیران رہ گئے کہ یہ آواز کالر میں

کانوں کے پاس لگے بٹنوں سے آ رہی تھی۔

''نمبر ۱۶، نمبر ۱۷، اوپر آؤ۔ سپریمو نے طلب کیا ہے۔'' ہدایت انگریزی زبان میں ہی تھی۔

''شاید اوپر سے مراد وہی کیبن ہے۔'' خان نے اوپر کی طرف دیکھ کر کہا۔

''یہ بھی معلوم ہو گیا ہے وہ سپریمو اوپر ہے۔'' ڈاکٹر سید نے کہا۔

اور پھر وہ تیز تیز قدم اٹھاتے اسی طرف چلنے لگے۔ انھیں اس کیبن کے نشیب میں ایک کھلی لفٹ لگی نظر آئی جو دو موٹے موٹے فولادی تاروں پر جھول رہی تھی اور ایک ڈربے سے مشابہ تھی۔ وہ اسے سمجھ بھی نہ پاتے اگر انھوں نے ایک سبز پوش کو اس کے ذریعے اوپر جاتے نہ دیکھا ہوتا۔

وہ جب اس لفٹ سے اوپر پہنچے تو کیبن کے دروازے پر انھیں ایک سنتری نظر آیا جو بندوق لیے کھڑا تھا۔ اس نے انھیں اندر جانے کا اشارہ کیا۔ خان نے اپنی جیبیں ٹٹولیں اور اندر داخل ہو گیا۔ ڈاکٹر سید کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اتنی سادگی سے کیوں عمل کر رہا ہے۔ مگر اسے پیروی کرنی پڑی۔

وہ جیسے ہی کیبن میں داخل ہوئے، پیچھے کا دروازہ بند ہو گیا اور سامنے ایک دروازہ کھل گیا۔

''کم ان۔'' انھیں اندر سے کسی کی آواز سنائی دی۔ یہ نسوانی آواز تھی۔

اور یہاں اندر قدم رکھتے ہی خان اسے دیکھ کر چونک پڑا۔ یہ وہی لڑکی تھی جس کا پیچھا اس دن شوکت کر رہا تھا۔ وہ خان کو دیکھ کر مسکرا دی۔

''اور اندر تشریف لے جایے۔'' اس نے ایک شیشے کے گول دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''کم آن، ڈاکٹر، اب کچھ سوچنا بیکار ہے۔'' خان نے ڈاکٹر سے کہا۔ اور اس

دروازے میں داخل ہو گیا۔ یہ ایک شیشے کا فریموں والا کمرہ تھا جس سے منسلک باہر ایک ٹرانسمیٹر نصب تھا۔ اس جگہ بہت سی مشینیں تھیں، جن میں میٹر گیج، سوئچ اور لیور لگے ہوئے تھے اور ایک آدمی ان کی طرف پشت کیے ایک اسٹیل کی کرسی پر بیٹھا تھا۔

''تشریف رکھیے، مسٹر خان، اور ڈاکٹر آپ بھی۔'' وہ انکی طرف گھومے بغیر بڑے با وقار لہجے میں بولا اور وہ دونوں چونک پڑے۔ کیونکہ اس کے حکم کے ساتھ ہی دو بند کرسیاں آپ سے آپ کھل گئیں۔ اور اب جب وہ اپنی کرسی سمیت ان کی طرف گھوما تو ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ وہ ڈاکٹر زیٹل ہی تھا، لیکن اس وقت اس کا رنگ بہت کھلا ہوا نظر آ رہا تھا۔

''مجھے پہلے ہی شک تھا کہ تم ڈاکٹر گلبرٹ کو ڈھال بنائے ہوئے ہو۔'' خان کے منہ سے نکلا۔

''میری تنظیم ہر وفادار آدمی کو اس کی خدمات کا پورا معاوضہ دیتی ہے۔ گھبراؤ نہیں، ڈاکٹر گلبرٹ ہی یہاں کا ڈکٹیٹر ہوگا۔ مجھے تو ابھی پورے ملک پر اپنا اثر پھیلانا ہے۔'' وہ ہنس کر بولا۔

''اور تم ڈاکٹر زیٹل بھی نہیں ہو، تم ڈاکٹر وان چنگ ہو جسکی سنٹرل ایجنسی کو تلاش ہے۔'' خان نے پورے اعتماد سے کہا۔

''خوب پہچانا۔'' وہ خوفناک انداز میں ہنسا۔ ''لیکن وان چنگ کی طاقت کا اگر تم صحیح اندازہ لگا لیتے تو یہاں تک پہنچنے کی بجائے دور سے ہی مجھے سلام کرتے۔'' اس نے کہا۔

''ہونہہ، یہ سائنسی شعبدے دیر پا نہیں ہوتے۔'' خان نے کہا۔

''یہ شعبدے نہیں ہیں، مسٹر خان، میں چالیس کروڑ انسانوں کے دل و دماغ اپنے مطیع رکھ سکتا ہوں۔ میں انھیں بلینک کر کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیتوں سے محروم کر دوں گا اور وہ صرف میرے حکم پر چلیں گے۔'' اس نے بڑے فخر سے کہا۔

''شاید تم اس خواب کی تعبیر دیکھنے کیلیے زندہ بھی نہ رہو گے۔'' خان نے کہا۔ ساتھ

ہی وہ اپنی کرسی سے اٹھنا چاہتا تھا کہ اسے محسوس ہوا کہ وہ اس سے چپک کر رہ گیا ہے۔ بالکل یہی حال ڈاکٹر سید کا ہوا۔

''پانچ بجنے میں صرف چند منٹ رہ گئے ہیں اور میں کلکٹر کو چیلنج دے چکا ہوں۔ ڈاکٹر گلبرٹ کو اگر رہا نہ کیا گیا تو اس شہر میں اندھیر مچ جائے گا، تم ٹھہرو، میں تمہیں یہ تماشا یہیں بیٹھے بیٹھے دکھا دونگا تا کہ تم اپنے شکستہ حوصلوں کے ساتھ اس وادی میں دم توڑ سکو۔''

اس نے شستہ انگریزی میں کہا اور ساتھ ہی سامنے ڈیسک کا ایک بٹن دبا دیا، جس کے ساتھ ہی اس کے سامنے کا شیشہ پہلے تاریک ہوا، پھر دھندلا اور پھر اس میں روشنی نظر آنے لگی۔ خان نے دیکھا کلکٹر اپنے آفس میں پشت پر ہاتھ باندھے ٹہل رہا ہے۔ وہ بہت پریشان ہے۔

ٹھیک پانچ بجے وان نے ایک بٹن دبایا اور ڈیسک کی ایک دراز سے ایک ٹیلی فون سیٹ باہر نکل آیا۔ ڈاکٹر نے رسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کیے اور خان نے فریم میں دیکھا کہ کلکٹر اپنے فون کا رسیور اٹھا رہا تھا۔

''ہیلو، مسٹر کلکٹر، اب پانچ بجنے میں صرف ایک منٹ باقی ہے، کیا فیصلہ ہے تمہارا؟'' وان چنگ نے کہا۔

''نہیں، نہیں، سو بار نہیں۔ یہ تمہارے باپ کی حکومت نہیں، جہاں تمہارا حکم چلے گا۔'' کلکٹر فون پر چیخا۔

''شٹ اپ۔'' وان چنگ نے اسے ڈانٹا اور رسیور رکھ دیا۔ اس کا چہرہ خوفناک ہو گیا۔ اس نے ایک بار خان اور ڈاکٹر سید کی طرف دیکھا اور پھر غضبناک انداز میں اس نے پیر کے پاس لگا ہوا ایک لیور دبا دیا اور ڈیسک کی طرف جھک کر چیخا۔

''آن دی اینٹینا۔''

اور انھوں نے دیکھا کہ اس کے فوراً بعد ہی اس بڑے اینٹینا سے چمکدار اور باریک

برقی لہروں کا اخراج تیزی سے شروع ہوگیا۔ڈاکٹر نے اس اسکرین کا ایک بٹن گھمایا اور اس کا منظر تبدیل ہوگیا۔

انھوں نے حیرتناک سین دیکھا۔لوگ سڑکوں پر جمع ہونا شروع ہو گئے تھے۔پھر کچھ دیر بعد ہی وہ بے تحاشا ادھر ادھر بھاگنے لگے، جیسےان کے دماغ بے قابو ہوئے جا رہے ہوں۔ ریڈیوں اسکرین پر مختلف سڑکوں اور علاقوں کے منظر گزرنے لگے۔

''ڈاکٹر گلبرٹ تمہارا محسن ہے، بغاوت کر دو، حکومت کو ختم کر دو۔ڈاکٹر گلبرٹ تمہارا رہنما ہے، حکومت تمہاری ہے، اسے آزاد کراؤ اور اس کی مرضی کو اپنا ایمان سمجھو۔'' وہ ایک چھوٹے سے ماؤتھ پیس پر بولتا رہا اور انھوں نے دیکھا کہ سڑکوں پر لوگ مشتعل ہوئے جا رہے ہیں۔پھر انھیں ایک خوفناک فساد کا منظر نظر آیا۔لوگ بے تحاشا ہر چیز کو توڑ پھوڑ رہے تھے اور چلا رہے تھے۔سر پھٹ رہے تھے۔کوئی کسی کا گلا کاٹ رہا تھا، کوئی کسی کو کچل رہا تھا اور پھر گولیاں چلنے لگیں، مگر تھوڑی ہی دیر میں وان چنگ کا قہقہہ گونج اٹھا۔

''اور یہ ہے تمہاری پولیس۔'' وہ خان کی طرف دیکھ کر بولا۔

اسکرین میں انھوں نے دیکھا خود پولیس کا بھی وہی حشر ہوا تھا۔وہ ڈاکٹر گلبرٹ کو خود رہا کر کے اپنے کندھوں پر اٹھائے نعرے لگا رہے تھے اور کلکٹر کا دروازہ توڑ ڈالنے کی کوشش کی جا رہی تھی۔وہ اکیلا اپنے کمرے میں بند تھا۔

سڑکوں پر خون بہت نظر آنے لگا اور لوگ جیسے پاگل ہو گئے ہوں۔اچانک ایک جھماکا ہوا اور کمرے میں چکاچوندسی ہوگئی۔ساتھی خان اور ڈاکٹر نے محسوس کیا کہ وہ کرسیوں کی قید سے آزاد ہو گئے ہیں۔سخان نے اپنی جگہ سے جست کی اور وان چنگ پر جا گرا۔مگر وہ بڑا پھرتیلا تھا۔وہ اپنی کرسی سمیت ہٹ چکا تھا جس کی وجہ سے خان کا سر ڈیسک سے ٹکرایا اور اتفاق سے اس سے وہی سوئچ آف ہوگیا جس سے اسکرین روشن ہوا تھا۔ڈاکٹر سید نے موقع پاتے ہی ایک اسٹیل چیئر اٹھا کر اس بورڈ پر کھینچ ماری جس میں لگے ہوئے میٹر مختلف الیکٹرانک

ویلکمنس بتا رہے تھے۔ بورڈ کے ٹوٹتے ہی جھما کے ہونے لگے اور ایک منٹ بعد ہی وہ ایٹینا جس سے برقی لہریں خارج ہو رہی تھیں بجھ سا گیا، جیسے اس نے اپنا عمل روک دیا ہو۔ خان کو کھڑکی سے نظر آیا کہ نیچے سے کچھ لوگ دوڑ کر اوپر آ رہے ہیں۔ اس نے وان چنگ کو ایک لات ماری اور جیب سے گرینیڈ دستی بم نکال لیا۔ اس سے پہلے کہ ڈاکٹر اپنی جگہ سے پستول سنبھال کر اٹھے، ایک فائر ہوا اور وہ وہیں لڑکھڑا کر گر پڑا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا اور صرف ''تم'' کہہ سکا۔

اس کے عقب میں وہی لڑکی کھڑی تھی اور اس کے ہاتھ میں پستول تھا۔ خان نے لات مار کر شیشہ توڑ دیا اور اس میں سے نشانہ لے کر دستی بم نیچے کھینچ مارا۔ اس کے پھٹتے ہی دوڑ کر آنے والے سبز پوش وہیں ڈھیر ہو گئے۔

پھر اس نے دوسرا دستی بم اس شیڈ پر کھینچ مارا۔ پہلا دھماکا ہوا اور شیڈ کا کچھ حصہ ٹوٹا، لیکن پھر متواتر دھماکے ہونے لگے۔ شاید اس میں آتشگیر مادہ موجود تھا، جو مسلسل پھٹ رہا تھا۔

''تھینک یو، مس نائر۔'' خان نے اس لڑکی کی طرف دیکھ کر کہا۔

وہ صرف مسکرا دی۔

''تو کیا آپ جانتے ہیں انھیں؟''

''یہ سنٹرل انٹیلیجنس، یعنی سی بی آئی کی ڈپٹی ڈائرکٹر اور اس آپریشن میں ہماری افسر اعلیٰ ہیں۔'' خان نے بتایا۔

''آپ کی فورس پہنچ چکی ہے، وہ دیکھیے نیچے۔'' مس نائر نے اشارہ کیا۔ اور واقعی نیچے فائرنگ شروع ہو گئی تھی۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

مس نائر

دوسرے دن وہ سب کلکٹر کے آفس میں جمع تھے۔ بالے بھی ٹھیک ہو چکا تھا۔ صرف شوکت کو باہر بیٹھنا پڑا، کیونکہ وہ غیر سرکاری آدمی تھا۔

''تو یہ اس ماڈل سٹی میں کامیاب تجربے کے بعد چالیس کروڑ دماغوں پر قبضہ کرنے کی سازش تھی؟'' کلکٹر کہہ رہا تھا۔

''جی ہاں۔ دراصل قاضی آباد میں ایک پلین کی تباہی سے یہ راز کھلا تھا، لیکن میں نے فوراً اس کی ہوسٹس کی جگہ لے لی تھی جو اس سازش کی ایجنٹ تھی اور حادثے میں ختم ہو چکی تھی۔ مجھے یہاں تک پہنچنے کیلیے بڑی محنت کرنی پڑی ہے۔ خان صاحب اور ان کے آدمی اگر یہاں پہنچ کر ان لوگوں کو الجھا نہ لیتے تو بڑا مشکل تھا ان کا سراغ لگنا۔'' مس نائر نے بتایا۔

''مگر آپ کیسے گھس گئیں ان لوگوں میں؟''

''مجھے ڈاکٹر گلبرٹ کے اسپتال میں مریضہ بن کر رہنا پڑا تھا۔ وہاں سے ایسے بیچارے مریض جو لاوارث ہوتے، تجربے کیلیے اس تجربہ گاہ میں بھیجے جاتے تھے۔ ان کے دماغوں پر ریڈیائی لہروں سے مختلف عمل کیے جاتے اور ان میں سے بہت سے ان ہی تجربوں میں اپنی جان سے گئے۔ مجھے بھی اسی طرح لے جایا گیا اور میں نے جب اس طیارے سے حاصل ہونے والا بیج وان چنگ کو بتایا تو وہ چونک پڑا۔ میں ایسی بن گئی جیسے میری یادداشت کھو چکی ہے۔ چنانچہ اس نے مجھے اپنے پاس رکھ لیا اور میرا علاج کرنے کی کوشش کرنے لگا تاکہ میری یادداشت واپس آجائے تو وہ مزید حقائق معلوم کر سکے۔

''ویسے اس طیارے کی تباہی کے بعد سے ان کے درمیان پیغامات کا تبادلہ بڑی اونچی پھینکی جانے والی ریڈیائی لہروں کے ذریعے ہوتا ہے۔'' مس نائر سب بتاتی گئی۔

''تب ہی آپ نے اس دن کسی لیبارٹری یا آبزرویٹری کا ذکر کیا تھا مجھ سے اپنا تعارف کراتے ہوئے۔'' بالے بیچ میں بول اٹھا۔

''ہاں۔وہ ایک اشارہ تھا جسے خان صاحب سمجھ گئے،مگر پوری طرح تلاش نہ کر سکے تھے۔''

''میں تو سمجھا تھا کہ میں بھی ختم کر دیا جاؤنگا۔سارے شہر میں فساد پھیل گیا تھا اور لوگ ڈاکٹر گلبرٹ کے ہی نعرے لگا رہے تھے۔خود ہماری پولیس بھی باغی ہوگئی تھی۔وہ تو اگر خان صاحب کی رزرفورس نہ آجاتی تو میری جان بھی جاتی۔'' کلکٹر نے بتایا۔

''میں پہلے ہی ایک دستے کو ہدایت دے چکا تھا۔'' خان نے کہا۔

''اور کیٹی کہاں گئی؟'' بالے نے پوچھا۔

''وہ جیل میں ہے۔'' خان نے بتایا۔

''تو کیا یہ اصلی زیئل نہیں تھا؟'' بالے نے ایک اور سوال پیش کر دیا۔

''بھئی اسے ختم کر کے ہی تو نقلی زیئل نے کام شروع کیا ہوگا۔'' خان جھنجلا کر بولا۔

''مگر ان لوگوں کے دماغ کیوں خراب نہیں ہوئے؟'' بالے کے سوالات جاری تھے۔

''کسی بھی نئے آدمی کا دماغ خراب نہ ہوتا۔دراصل ذہنوں کو مفلوج اور مطیع بنانے کا کام یہاں عرصے سے ہو رہا تھا اور دھیرے دھیرے لوگوں کے اعصاب کو کمزور کر کے ان پر خارجی اثرات حاوی کیے جا رہے تھے۔یہ عمل یہاں کے باشندوں کیلیے تھا اور اس لیے باہر سے آنے والوں کے پیچھے ان کے آدمی لگ جاتے تھے۔'' خان نے جواب دیا۔''ڈاکٹر گلبرٹ کے اور لوگوں کی پاگلوں جیسی حرکتیں سب اس سلسلے کی کڑیاں ہیں۔''

''مگر یہ بغاوت اچانک کیسے رک گئی؟'' کلکٹر نے پوچھا۔

''اس اینٹینا کا عمل ختم ہوتے ہی لوگوں کے ذہن وان چنگ کے کمانڈ سے آزاد ہو کر بلینک ہو گئے۔وہ یہاں سے اچانک چوہوں کی طرح بھاگنے لگے۔'' خان نے کہا۔

Akram Allahabadi

''بالکل ایسا ہی ہوا تھا۔بس اچانک لوگوں کا اشتعال سرد پڑ گیا اور جیسے وہ پالتو بھیڑیں ہوں،اس طرح خان صاحب کی فورس کے آدمی انھیں ہنکا رہے تھے۔ایک آدمی ہانکتا تھا تو ہزار بھاگتے تھے۔''کلکٹر نے بتایا۔''اور اس کے فوراً بعد ہی پولیس میرے احکامات پر عمل کرنے لگی تھی۔''

''ڈاکٹر گلبرٹ کا کیا ہوا؟''خان نے پوچھا۔

''وہ آپ کے آدمیوں کے قبضے میں ہے۔''کلکٹر نے بتایا۔''میں آپ لوگوں کا بہت شکر گزار ہوں جو آپ نے اس شہر کو تباہی سے بچالیا۔''

''ہم بھیجے ہی اسی لیے گئے تھے۔دراصل اس شہر کو نہیں، بلکہ پورے ملک کو ایک خوفناک خارجی سازش سے بچایا گیا ہے۔''مس نائر نے کہا۔

''تو یہاں والے اسی طرح گھاس کھاتے رہیں گے۔''بالے نے پوچھا۔

''نہیں،رفتہ رفتہ ان کی کیفیت اعتدال پر آجائے گی۔''ڈاکٹر سید نے کہا۔

اور جب وہ کلکٹر کے روم سے باہر نکلے تو شوکت اس دن والی لڑکی کو دیکھ کر بوکھلا گیا۔

''کہیے ڈرائیور صاحب۔''مس نائر اس سے مسکرا کر مخاطب ہوئیں۔

''نہیں الّا قسم،میں ڈرائیور نہیں ہوں۔''وہ گھبرا کر اسے یقین دلانے لگا۔

''اچھا تو پہلے ڈرائیور بن جایئے،پھر میں آپ سے دوستی کرونگی۔''مس نائر نے کہا۔

''اے لو،الٹا زمانہ ہے سالا۔''شوکت بڑبڑایا۔مگر جب بالے نے اس کے کان میں کہا۔

Akram Allahabadi

''یہ خان صاحب سے بھی بڑی آفیسر ہے۔''تو شوکت کا خون خشک ہوگیا۔اس نے دونوں کان تھام لیا۔

''لاحول ولاقوۃ۔پھر سالا وئی چکر۔''وہ بڑبڑایا اور وہیں بیٹھ گیا۔

☆☆☆ ختم شد ☆☆☆

Akram Allahabadi